BNUR102DET

ڈپٹی نذیر احمد

(Deputy Nazeer Ahmed)

بی۔اے۔(آنرس)

چارسالہ پروگرام

پہلا سمسٹر (اردو)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2025, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-992584-3-3
Course : Deputy Nazeer Ahmad
First Edition : September 2025
Copies : 4100
Price : 80/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Irshad Ahmad, Assistant Professor (Urdu), CDOE, MANUU, Hyderabad

Editorial Board/Editors

Prof. Nikhath Jahan, Professor Urdu
CDOE, MANUU

Prof. Md Naseemuddin Farees, Urdu Consultant
CDOE, MANUU

Dr. Irshad Ahmad, Assistant Professor
CDOE, MANUU

Dr. Md Nehal, Asst. Prof. (C) / Guest Faculty,
CDOE, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Prof. (C) / Guest Faculty, CDOE, MANUU

Dr. Mohd Jafar, Asst. Prof. (C) / Guest Faculty,
CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C)/Guest Faculty,
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in, *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314, Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Dr. Md Nehal, Faculty of Urdu, CDOE, MANUU

Printed at: Karshak Print Solutions Limited, Hyderabad

فہرست

پیغام		وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام		ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف		کورس کوآرڈی نیٹر	7
اکائی نمبر	**اکائی کا نام**	**مصنف**	**صفحہ نمبر**
1۔	ڈپٹی نذیر احمد کا عہد اور سماجی و سیاسی حالات	ڈاکٹر توصیف خان (توصیف بریلوی)	9
2۔	ڈپٹی نذیر احمد کے حالات زندگی	پروفیسر محمد نسیم الدین فریس	21
3۔	نذیر احمد کے ادبی معاصرین (سرسید، حالی، شبلی، محمد حسین آزاد، ذکاءاللہ)	ڈاکٹر محمد جعفر	37
4۔	نذیر احمد کی ادبی خدمات (ناول، خطبات، مضامین، خطوط وغیرہ)	ڈاکٹر محمد اکمل خاں	54
5۔	نذیر احمد کی ناول نگاری کی خصوصیات	ڈاکٹر محمد شارب	69
6۔	ناول "توبتہ النصوح" کا موضوعاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد نہال افروز	82
7۔	ناول "توبتہ النصوح" کا فنی مطالعہ	ڈاکٹر محمد نہال افروز	96
8۔	توبتہ النصوح: نمونہ متن اور تشریح	ڈاکٹر محمد نہال افروز	112
	نمونہ امتحانی پرچہ		126

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Dr. Tauseef Khan (Tauseef Barelvi), Dept of Urdu, Al-Barkaat College of Graduate Studies, Aligarh	ڈاکٹر توصیف خان (توصیف بریلوی)، شعبہ اردو، البرکات کالج آف گریجوئٹ اسٹڈیز، علی گڑھ
Prof. Md Naseemuddin Farees, Consultant, CDOE, MANUU, Hyderabad	پروفیسر محمد نسیم الدین فریس، کنسلٹنٹ، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدرآباد
Dr. Mohd Jafar, CDOE, MANUU, Hyderabad	ڈاکٹر محمد جعفر، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدرآباد
Dr. Mohd Akmal Khan, CDOE, MANUU, Hyderabad	ڈاکٹر محمد اکمل خان، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدرآباد
Dr. Mohd Sharib, P.G. Department of Languages and Literature Fakir Mohan University, Odisha	ڈاکٹر محمد شارب، پی جی ڈیپارٹمنٹ آف لینگویج اینڈ لٹریچر، فقیر موہن یونیورسٹی، اڑیشہ
Dr. Md Nehal Afroz, CDOE, MANUU, Hyderabad	ڈاکٹر محمد نہال افروز، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدرآباد

پروف ریڈرس (Proofreaders):

1. ڈاکٹر محمد نہال افروز
2. ڈاکٹر محمد اکمل خان
3. ڈاکٹر محمد جعفر

ٹائٹل پیج (Title Page): ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن

شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self-Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم (نظامت فاصلاتی تعلیم)، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے طلبا کی تعلیمی ضرورت کے پیش نظر جدید شعری اصناف کے موضوع پر درسی مواد تیار کیا ہے۔ یہ مواد چار سالہ بی۔ اے۔ پروگرام کے پہلے سمسٹر کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبا کا معیار یکساں ہو بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں طلبا کے لیے دوران تعلیم ایک نظام تعلیم سے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

یو جی سی کی اسی ہدایت کے تحت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں فراہم کیے جا رہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا ہے۔ یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی۔ موجودہ تعلیمی ضرورت کے پیش نظر این ای پی 2020 (NEP-2020) کے تحت اردو طلبا کے لیے خود اکتسابی مواد تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ مواد چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے جس کی تیاری میں ملک بھر کے مختلف جامعات اور تعلیمی اداروں کے ماہر اساتذہ اپنا تعاون کر رہے ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعے نہ صرف اردو طلبا کی ضرورت کی تکمیل ہو گی بلکہ اردو داں طبقے کے لیے بھی یہ مواد قدر مفید ثابت ہو گا۔

نئے نصاب کی تیاری میں مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کی موجودہ کتب میں دستیاب مطلوبہ مواد کو ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے اور نئے نصاب کے تقاضوں کے پیش نظر نئی اکائیاں بھی لکھوائی گئی ہیں جو کورس کے خود اکتسابی مواد کا حصہ بنی ہیں۔

اس کتاب میں مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی ہے جو یکساں نصاب کے تحت روایتی اور فاصلاتی تعلیم دونوں کی ضرورتوں کو بیک وقت پورا کر سکے۔ ہر اکائی کے تحت موضوع سے متعلق مواد کے علاوہ، اکتسابی نتائج، کلیدی الفاظ، نمونۂ امتحانی سوالات اور تجویز کردہ اکتسابی مواد کی فہرست بھی دی گئی ہیں۔ امید ہے یہ معلومات طلبا کے لیے بے حد معاون ہوں گی۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم چار سالہ بی۔ اے۔ کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ پہلے سمسٹر کے اس پرچے کا عنوان "ڈپٹی نذیر احمد" ہے۔ یہ ایک انتخابی پرچہ ہے اور اس پرچے میں کل آٹھ اکائیاں ہیں۔ یہ پرچہ ڈپٹی نذیر احمد کے خصوصی مطالعے کے تمام اکتسابی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، جس میں نذیر احمد کے حالات زندگی، ان کے ادبی معاصرین، ان کی ادبی خدمات اور ناول نگاری کی خصوصیات کے ساتھ ان کی تخلیقات کو نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور متن کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ نصابی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کی بیش قیمت آرا ہمیں اس کتاب کو مزید بہتر، کارآمد اور مفید بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر ارشاد احمد

کورس کوآرڈی نیٹر

ڈپٹی نذیر احمد

بلاک I: عہد، حالات زندگی اور ادبی خدمات

اکائی 1۔ ڈپٹی نذیر احمد کا عہد اور سیاسی و سماجی حالات

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 ڈپٹی نذیر احمد کا عہد

1.2.1 نذیر احمد کے زمانے کے سیاسی حالات

1.2.2 نذیر احمد کے زمانے کے سماجی حالات

1.3 اکتسابی نتائج

1.4 کلیدی الفاظ

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

ڈپٹی نذیر احمد نے جب ہوش سنبھالا تو انگریز پوری طرح سے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر چکے تھے اور قلعے کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی۔ مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہندوستانیوں کے لیے نئی پریشانیاں لے کر آیا تھا۔ خود بادشاہ کی حکومت محل کے اندر بھی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ تمام طرح کی سیاسی اتھل پتھل مچی ہوئی تھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت کا جانا الگ بات تھی لیکن اس کے بدلے میں تمام ہندوستانیوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے تھے وہ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات تھی۔ 1857 کے غدر کا پیش خیمہ یہی سب سیاسی سرگرمیاں تیار کر رہی تھیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کی پیدائش بجنور کے گاؤں ریہڑ میں 1831 میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی لیکن آگے کی تعلیم

کے لیے دہلی کا رخ کرنا پڑا۔ گھریلو حالات کچھ ایسے نہیں تھے کہ ان کی تعلیم کا انتظام کیا جاسکتا اس لیے ان کے والد صاحب نے انہیں تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی بھیج دیا اور کشمیری دروازے کے قریب ہی اورنگ آبادی مسجد کے مدرسے میں داخل کر دیے گئے۔ یہیں دہلی میں ان کی پرورش ہوئی اور پروان چڑھے۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ سرد و گرم دہلی میں دیکھے، اس وقت کی دہلی میں انگریزوں کے بڑھتے مظالم اور ہندوستانیوں کی بغاوت سب کچھ دیکھا اور محسوس کیا۔ ان تمام واقعات سے انہوں نے اس وقت کے سماجی اور سیاسی حالات کا بھی بڑی ہی باریکی سے جائزہ لیا جو ان کے ناولوں اور دیگر تحریروں میں واضح طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس اکائی ہم نذیر احمد کے عہد کی سیاسی اور سماجی حالات کا جائزہ لیں گے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ڈپٹی نذیر احمد کی شخصیت کے بارے میں جان پائیں گے۔
- ڈپٹی نذیر احمد کے عہد کو سمجھ سکیں گے۔
- اردو ادب میں سب سے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد ہیں، یہ جان سکیں گے۔
- نذیر احمد کے وقت کی سماجی اور سیاسی صورت حال کا عکس ان کے ناولوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، یہ سمجھ سکیں گے۔

1.2 ڈپٹی نذیر احمد کا عہد

مولوی نذیر احمد جو بعد میں ڈپٹی نذیر احمد کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی پیدائش کا زمانہ ایسا تھا کہ اس وقت مغلیہ حکومت زوال کی طرف تیزی سے گامزن تھی اور برطانوی حکومت کا پھیلاؤ تقریباً پورے ہندوستان پر ہو ہی چکا تھا۔ زوال کے اس دور میں ہندوستانیوں کی حالت بہت اچھی نہیں تھی۔ اب وہ نہ تو بڑے عہدوں پر تھے اور نہ ہی ان کے ہاتھ میں کوئی طاقت رہ گئی تھی جس سے وہ خود اپنے لیے ہی کچھ کر سکتے۔ تعلیمی نظام بھی درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا کیوں کہ بیشتر ہندوستانی اپنے بچوں کو مشنریوں میں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ وہ روایتی قسم کی تعلیمی اداروں میں ہی اپنے بچے بھیجتے تھے۔ جدید تعلیم میں پچھڑنے کا نتیجہ بھی بہت جلد سامنے آیا اور ایک دن بہادر شاہ ظفر کو بھی قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ بہر کیف! اس اثنا میں ڈپٹی نذیر احمد نے مدرسے کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کالج میں تعلیم حاصل کی اور اپنی محنت سے ڈپٹی کلکٹر کے عہدے تک پہنچے۔ اس وقت اعلی تعلیم کا تصور بہت کم ہی لوگوں میں پایا جاتا تھا اور نذیر احمد نے بہت مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور اپنے مقصد کو بھی پہنچے۔ انگریزوں کے مکمل تسلط سے پہلے بھی احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہی حملوں نے بھی دہلی کو تاراج کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے دہلی کبھی سنبھل نہ سکی اور دہلی کی عوام کی مالی اور علمی حالت اسی وقت سے خراب ہی ہوتی گئی۔ حالاں کہ یہ سب ایک ہی دن میں نہیں ہوا بلکہ اس اختتام کا انجام اسی دن شروع ہو گیا تھا جب اورنگ زیب کا انتقال ہوا تھا۔ اس کے بعد سے مغلیہ حکومت میں سارے ایسے بادشاہ ہوئے جن میں حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں تھی

اسی لیے بدیسی حملوں کے ساتھ ساتھ انگریزوں کا اثر بڑھتا ہی گیا اور ساتھ ہی مراٹھے اور روہیلے بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے وہ بھی اپنے اپنے طور پر کوشاں تھے اور اس طرح مغلیہ حکومت اپنے اختتام کی طرف بڑھتی گئی۔ سن 1800 سے لے کر 1857 کا زمانہ سماجی، تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی ہر اعتبار سے بدنظمی کا شکار رہا کیوں کہ اب کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو انگریزوں کے خلاف ورزی کر سکتا تھا اور جو بھی انگریزوں کے خلاف کھڑے ہوئے تھے وہ اپنے انجام کو پہنچا دیے گئے تھے۔ فاتح قوم کی زبان اور تہذیب کا اثر محکوم قوم پر ہوا ہی کرتا تھا۔ اس وقت سے انگریزی کا رواج پورے ہندوستان پر بڑے پیمانے پر ہونے لگا اور بہت سے لوگ ان کی تہذیب سے متاثر ہونے لگے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے جب اپنے اطراف کا جائزہ لینا شروع کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انگریزوں سے لڑنا تو سود مند نہیں ہے البتہ ہمیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی حاصل کرنی ہوگی تبھی ہماری ترقی ہو سکتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کے افکار محمد حسین آزاد کے بھی تھے۔ وہ بھی قوم کی بقا کا راز جدید تعلیم میں تلاشتے تھے اور اپنے مضامین میں لوگوں کو تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ نذیر احمد نے چوں کہ خود بھی بڑی ہی پابند زندگی گزاری تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ کسی بھی قوم کا مستقبل اور سرمایہ ان کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ اگر بچوں کو اچھی تعلیم اور تربیت سے آراستہ کیا جائے تو وہ ملک اور قوم یقیناً ترقی کرے گی۔ یہی وہ نتائج تھے کہ جن کے سبب مولوی نذیر احمد نے اخلاقیات اور بچوں کی تربیت پر لکھنا شروع کیا۔ اس طرح ان کے ناول لکھنے کی ابتدا ہوتی ہے اور ان کا یہ کام اردو ادب میں صنف ناول کی بنیاد ڈالتا ہے۔ ان کی شخصیت کو نکھارنے میں ان کے عہد کا بہت اہم کردار تھا۔ ڈپٹی نذیر احمد کئی شخصیات سے متاثر بھی تھے جن میں سرسید احمد خان کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ انہوں نے بھی اخلاقیات کو بڑھاوا دیا اور اس موضوع پر اپنے پرچے ت "تہذیب الاخلاق" میں خوب مضامین لکھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سرسید نے اپنی قوم کا باریکی سے مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قوم کو بہت زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اب انہیں خود کو مین اسٹریم میں لانے کے لیے خود پر جو محنت کرنی تھی ان میں سے سب سے اہم یہی تھا کہ مسلمان اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں اور اپنی بری عادتوں سے بھی توبہ کریں۔ سرسید احمد خان نے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، بات چیت کرنے سے لے کر اور بھی کئی موضوعات پر مسلسل مضامین لکھے تاکہ وہ قوم کی اصلاح کر سکیں۔ وہ خود جب لندن گئے تھے تو وہیں ان کے دماغ میں یہ خیال آ گیا تھا کہ ہندوستان واپس جا کر ایک ایسا پرچہ نکالنا ہے جو لوگوں کی اصلاح کر سکے۔ لندن میں انہوں نے خود اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر جیسے پرچے پڑھے تھے اور انہیں پرچوں سے انہیں یہ خیال پیدا ہوا تھا۔

سرسید احمد خان کی علی گڑھ تحریک سے کون واقف نہیں ہے۔ یہ تحریک اپنے آپ میں ایک ایسی تبدیلی تھی جس نے نہ صرف لوگوں کی ذہنیت بلکہ ان کے اخلاق اور اردو ادب کو بھی بہت متاثر کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد بھلے ہی سرسید احمد خان کے معترف نہ بھی ہوں لیکن ان کی اصلاحی تحریک سے متاثر ضرور ہوئے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کا ہندوستان کچھ ایسے حالات سے دوچار تھا کہ بہت سے لوگ سرسید کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہوں گے۔ سرسید کی کوششوں اور خاص طور پر ان کے مضامین کا معترف آج بھی زمانہ ہے کہ انہوں نے نہ جانے کون کون سے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اسی طرح انہوں نے اخلاقیات اور تربیت جیسے موضوعات پر کافی کچھ لکھا ہے۔ سرسید چوں کہ دینی عالم نہیں تھے البتہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ نذیر احمد کا مطالعہ بھی وسیع تھا اور دینی معاملات پر بھی خاصی توجہ دیتے تھے اس طرح انہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے زمین ہموار کی اور اپنے ناولوں کے ذریعے اس میدان میں خاصا کام کیا۔ اصلاح معاشرہ میں

انہوں نے تعلیم نسواں پر بہت زور دیا اور بیوہ عورتوں کے عقد ثانی کی بھی انہوں نے پر زور حمایت کی اور ان تمام نظریات کو اپنے ناولوں میں پیش بھی کیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ناولوں پر مقصد حاوی رہتا ہے اور اسی سبب ان کے ناول فن کی کسوٹی پر پوری طرح سے تو نہیں اترتے ہیں لیکن اولیت ڈپٹی نذیر احمد ہی کے حصے میں آئی۔

1.2.1 نذیر احمد کے زمانے کے سیاسی حالات:

ڈپٹی نذیر احمد کے شعور کی آنکھیں وا ہونے تک ہندوستان مغلوں کے تسلط سے نکل کر انگریزوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ قلعہ معلیٰ پر ابھی بھی بادشاہ کی حکومت تھی لیکن برائے نام۔ بہر کیف! اس دور میں جن لوگوں نے ان بدلتے ہوئے حالات کے مطابق خود کو ڈھالا وہ تو اس مشکل دور میں بھی کسی پریشانی کے بغیر آگے بڑھتے رہے لیکن جہاں کسی نے بغاوت کی ان کو انگریزی حکومت کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ انیسویں صدی میں ہی بہت سے ادیب پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی محنت سے نہ صرف انگریزی حکومت میں اپنے لیے جگہ بنائی بلکہ انہیں ان کے کاموں کے لیے انعام واکرام سے بھی نوازا گیا۔ ان ادیبوں اور دانشوروں میں سرسید احمد خان کا نام سر فہرست ہے لیکن ان کے علاوہ محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، مولوی ذکاء اللہ اور شبلی نعمانی جیسے دانشور ادیب بھی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی ادیب اور دانشور گزرے ہیں لیکن سب کا ذکر واذکار تو یہاں ممکن نہیں۔ اس وقت ہندوستان انگریزی پالیسی کے خلاف جا کر کوئی بھی کام نہیں کر سکتا تھا ایسے میں سرسید احمد خان نے بھی اپنی سوجھ بوجھ اور نکتہ رسی کے ساتھ ہی سرکاری ملازمت حاصل کی اور انہوں نے اپنی قوم کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں جن میں سب سے اہم مدرسہ علی گڑھ ہے جو بعد میں کالج اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طور پر رونما ہوا۔ علاوہ ازیں سرسید نے انگریزی حکومت کے لیے کئی کام کیے اور کئی انگریزوں سے ان کے دیرینہ مراسم بھی تھے۔ انہوں نے بنارس، مرادآباد اور علی گڑھ میں کئی ادارے بنائے اور جب غدر کا سانحہ پیش آیا اور انگریزوں نے مسلمانوں کو چن چن کر مارنا شروع کیا تو ایسے وقت میں سرسید ہی ایسے دانشور تھے کہ جنہوں نے ایک کتاب "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر بغاوت کے اسباب بتائے اور انگریزوں کو مسلمانوں کے تئیں سمجھانے کی کوشش کی جس کا کافی حد تک اثر بھی ہوا۔ سرسید کے اپنے بھی اس غدر سے متاثر ہوئے تھے لیکن انہوں نے صرف اپنوں کی پروا نہیں کی بلکہ پوری قوم کی فکر کی۔ سرسید نے انگریزوں کے ساتھ مل کر کئی اہم سرکاری بیٹھکوں میں بھی حصہ لیا اور ایجوکیشن پالیسی کے بھی رکن رہے۔ مولوی محمد باقر جنہیں جنگ آزادی کا ایک اہم مجاہد تصور کیا جاتا ہے۔ مولوی باقر اپنا اخبار انگریزوں کے خلاف نکالتے رہے اور ایک دن وہ اسی مخالفت کے سبب شہید بھی کر دیے گئے۔ وہ ہندوستان کے پہلے صحافی تھے جنہیں شہید کیا گیا تھا۔ ان کے صاحب زادے محمد حسین آزاد نے بھی اپنی زندگی کا آغاز انگریزی حکومت میں کیا اور وہ کتابوں کے سرکاری مطبع خانے سے منسلک ہو گئے تھے۔ حالی نے بھی اپنی نظموں میں اخلاقیات کا درس دیا تھا کیوں کہ وہ سرسید کے مشن سے جڑے ہوئے تھے۔ شبلی نے سیرت پر کتاب لکھی علاوہ ازیں انہوں نے بھی کئی سوانحی تصنیفات لکھیں اور شہرت حاصل کی۔ شبلی نعمانی نے سرسید کے کہنے پر فارسی کے پروفیسر کی ملازمت علی گڑھ کالج میں قبول کی تھی حالاں کہ وہ سرسید کے مذہبی خیالات کے ایک دم باغی تھے بلکہ سخت باغی تھے لیکن دونوں ہی عظیم ہستیوں کا ظرف ہی تھا کہ دونوں ایک ہی ادارے سے منسلک رہے۔ انہوں نے کئی ممالک کے اسفار بھی کیے تھے۔ دار المصنفین جیسے ادارے کی بنیاد بھی ان ہی کے

ہاتھوں عمل میں آئی اور ندوۃ العلما لکھنؤ کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی تھی۔ یہ وہ ادارے ہیں جو زمانہ گزر جانے کے بعد اپنی اہمیت اور افادیت کا لوہا منوانے میں کامیاب ہیں۔ مولوی ذکا اللہ کا دماغ کسی بنیے کی دکان سے تعبیر کیا جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے سائنس، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، مذہبیات اور ادب کچھ چھوڑا ہی نہیں جس پر کوئی کتاب نہ لکھی ہو۔ڈپٹی نذیر احمد بھلے ہی "ابن الوقت" ناول میں انگریزی تہذیب کے خلاف لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ انگریزی لباس، رہن سہن اور کھان پان کو بھی طنز کا نشانہ بناتے ہیں لیکن اصل زندگی میں چوں کہ وہ انگریزوں کے ملازم بھی تھے اس لیے چاہ کر بھی ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ تو ان کی ترقیوں سے بہت متاثر بھی تھے۔ انہوں نے ہندو اور مسلم حکمرانوں کے برعکس برٹش حکومت کو پسند کیا تھا اور ہندوستان کی ترقی اور روشن خیالی کے لیے انگریزوں کو نیک فال بھی تصور کیا۔ نذیر احمد انگریزی حکومت کو انصاف پسند اور رعایا کے حق میں گردانتے تھے جب کہ حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ انگریزوں میں مکر و فریب سے لے کر ظلم اور استحصال کون سی ایسی برائی تھی جو نہیں تھی اور ان کے ہاتھوں نہ جانے کتنے ہی بے گناہ ہندوستانی موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔ غدر کا سانحہ تو اس کی جیتی جاگتی مثال ہے جس میں ہزاروں علما کو پھانسی پر لٹکانے کا کام انگریزوں نے کیا تھا۔ علاوہ ازیں بادشاہت کے ساتھ ہی ساتھ نہ جانے کتنی ہی ریاستوں اور رئیسوں کو بھی انگریزوں نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا تھا۔ نذیر احمد انگریزی سرکار کے کچھ اس قدر معترف ہوئے کہ انہوں نے اپنے لکچروں میں تعریفوں کے جو قصیدے پڑھے ہیں ان کا کوئی حساب نہیں البتہ تعلیمی سطح پر ان میں سچائی بھی ہے۔ انگریزوں کی چلائی ہوئی ریل، اخبار، ڈاک پارسل، بحری و بری اسفار کی سہولیات وغیرہ کو انہوں نے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے جب کہ حقیقت اس کے ایک دم برعکس تھی۔ انگریزی حکومت میں اخبار کو کبھی بھی آزادی نہیں ملی۔ وہ حکومت کے احسانات کے تلے خود کو دبا ہوا محسوس کرتے تھے اور ان کی حکمرانی کو قبول کرنا اپنا اور ہندوستانیوں کا فریضہ سمجھتے تھے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ حد سے زیادہ حکومت کی تعریف کرنے کو عوام غلط نہ سمجھ لے اس لیے وہ حکومت کے کچھ کاموں کو قابل اصلاح بھی تصور کرتے تھے۔ ان تمام دانشوروں کے کارناموں کا اختصار سے ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جس سے اندازہ ہو سکے کہ اس وقت کے جو بھی سیاسی حالات رہے ان کے نتیجے میں یہ تمام سرگرمیاں چلتی رہیں تاکہ قوم کو وقار حاصل ہو سکے۔ اس وقت جو بھی لیڈر شپ یا قیادت روشن خیالی کے ساتھ کی جا سکتی تھی وہ ان دانشوروں نے کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف ہندوستانی مالی نقصانات کی تکلیف جھیل رہے تھے تو دوسری طرف انہیں عیسائی مشنریوں سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا۔ 1850 تک پھر بھی حالات کچھ ٹھیک تھے لیکن اس کے بعد سے ماحول مزید خراب ہوتا گیا۔ چوں کہ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی ایسے میں ظلم کا شکار بھی مسلمان ہی زیادہ ہوئے۔ اسسٹنٹ انجینئر، سپر وائزر اور دیگر ملازمت میں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے۔ یہ تمام باتیں ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب "اوَر انڈین مسلمانز" میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب وکالت کا پیشہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا لیکن 1852 کے بعد سے وکالت کے امتحان کا پورا ہی پیٹرن ہی بدل دیا گیا اور مسلمانوں کی تعداد وکالت کے پیشے میں بھی برائے نام ہی رہ گئی۔ اسی طرح کے حالات ہندوستان کے تمام بڑے شہروں کے ہو گئے تھے۔ یہ وہی مسلمان تھے جو کچھ برسوں پہلے برسر روزگار تھے لیکن اب نہیں۔ معمولی سے معمولی چپراسی یا دیگر ملازمت کے بھی لالے تھے۔ 1857 کی بغاوت میں یوں تو ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے لیکن حکومت مسلمانوں سے چھنی تھی ایسے میں انگریزوں کا عتاب تو مسلمانون پر ہی اترنا تھا۔ انہیں سیاسی اور اقتصادی طور پر مکمل تاراج کر دیا گیا تھا تاکہ دوبارہ کھڑے بھی نہ ہو سکیں

اور ایسا کرنے میں وہ بہت کامیاب بھی ہوئے تھے۔ مسلمان دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں ایسے میں مسلم رئیسوں، امیروں، صنعت کاروں، دینی رہنماؤں کو نشانہ بنایا گیا۔ ان کی زمینیں اور عہدے اسی لیے ختم کر دیے گئے۔ ان تمام اقدامات نے مسلم قوم کو پستی میں ڈھکیل دیا۔ غدر کے وقت ایک بار ایسا ضرور لگا تھا کہ حالات قابو میں آجایں گے کیوں کہ میرٹھ سے آنے والی فوج نے کچھ وقت کے لیے دہلی پر قبضہ کر لیا تھا اور اسی سبب دہلی میں جا بجا آگ زن، لوٹ پاٹ، قتل و غارت ہو رہی تھی۔ جب انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر قبضہ کر لیا تو سب سے زیادہ مسلمانوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے۔ ایسے پر آشوب دور میں مرشل لا بھی نافذ کر دیا گیا تھا۔ انگریز پہلے بھی مسلمانوں یعنی ترکی اور افغانوں کے دشمن رہ چکے تھے۔ اس لیے انگریزوں سے ان کو راحت ملنے والی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر ہندوستانی قومیں بھی انگریزوں کی ستائی ہوئی تھیں۔ تو اس طرح تمام ہندوستانی اور خاص طور پر مسلمان سماجی، مذہبی، سیاسی اور نظریاتی طور پر بے حد کمزور ہو گئے ۔ان تمام انگریزی کاروائیوں اور بکھری ہوئی قیادت سے کون اپنا ملک واپس حاصل کر سکتا تھا۔ قانون نام کی کوئی بھی شے اس وقت ملک میں نہیں رہ گئی تھی اور انگریز افسروں کی زبان ہی قانون تھی۔ وہ جسے چاہتے پھانسی چڑھا دیتے یا گولی مار دیتے تھے۔ اس کی مثال ان بے شمار عالموں سے دی جا سکتی ہے جو علم بغاوت بلند کرنے کے سبب اپنی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ انگریز حاکموں کے زمانے میں ہی جاٹ، مراٹھا اور سکھ بھی دہلی پر حملے کرتے تھے۔ ایسے میں شرفا شہر چھوڑ کر اطراف کے گاؤں قصبات میں جا کر پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

نذیر احمد اپنے ملک کی ترقی، فلاح و بہبود کے خواہاں تھے۔ ساتھ ہی بھائی چارہ، مذہبی آزادی اور مل جل کر رہنے کے عمل کو بے حد پسند کرتے تھے۔ لیکن وہ اس علم کے خلاف تھے کہ جس کے تحت انسان کانگریس میں شامل ہونے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کانگریس کو سخت ناپسند کرتے تھے ان کا ماننا یہ تھا کہ کانگریس میں کسی مسلمان کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ نوجوانوں کو کانگریس سے دور رہنے کی تلقین کرتے اور ساتھ ہی گورنمنٹ اور رعایا کے درمیان کس طرح کا ماحول ہونا چاہیے اس پر خاصا زور دیتے تھے۔ اس وقت انگریزی حکومت نے جدید تعلیم کے میدان میں خاصا کام کیا تھا اور بہت سے مقامات پر اسکول کالج اور یونیورسٹیاں بنائی گئیں۔ ریل اور ڈاک نے بھی ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا اور اس طرح ملک کی ترقی کے راستے پر گامزن ہوا اور یہی ترقی نذیر احمد کے لکچروں میں جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ انہوں نے انگریزی حکومت کو کس طرح مذہبی نقطہ نظر سے درست ہے، یہ بھی ثابت کیا ہے۔ حیرت کی بات یہی ہے کہ ان کے تمام لیکچروں میں سائنسی ایجادات اور ایجوکشن کی پالیسی پر مفصل بحثیں ملتی ہیں لیکن پھر بھی ناول ابن الوقت میں انہوں نے انگریزوں کے خلاف جس زبان کا استعمال کیا اسے پڑھ کر حیرت ہی ہوتی ہے کہ کیا نذیر احمد ایسا بھی سوچ سکتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کا عہد ذہنی نفسیاتی کشاکش اور معاشرتی اصلاح کا عہد تھا۔ حقیقتاً دیکھا جائے تو خود ڈپٹی صاحب ہی کی شخصیت تضادات سے بنی ہوئی تھی۔ ان کے یہاں مذہبی پابندی اور قدامت پسندی تو ہے ہی ساتھ ہی وہ زندگی کی نئی روشنیوں سے بھی خود کو دور نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ انگریز قوم کو ترقی یافتہ بھی سمجھتے ہیں تو کبھی ان کی تہذیب پر طنز بھی کرتے ہیں اور کچھ لوگ انہیں کفر اور الحاد کا حمایتی بھی قرار دیتے ہیں۔ ان تمام تضادات سے ہٹ کر نذیر احمد کے عہد میں سیاسی حالات یہ تھے کہ جس میں مسلمانوں کی حالت زار دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ایسے میں سر سید اور ڈپٹی نذیر احمد جیسے حقیقت پسندوں نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی مدد کرنی چاہی اور اس کام کو انہوں نے اپنے لکچروں اور مضامین کے ذریعے زبوں حالی کے شکار مسلمانوں تک اپنا پیغام پہنچایا تا کہ وہ احساس کمتری سے باہر آکر کچھ بہتر کام کر سکیں اور اپنا

وقار بحال کرنے کی کوشش کر سکیں۔

تمام بحث سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں سیاسی حالات یہی تھے کہ بڑے سے بڑا مذہبی اور اخلاق پسند انسان بھی انگریزوں کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ وقت کی ضرورت بھی تھی کیوں کہ جان مال کا نقصان تو ویسے بھی کسی ملک یا قوم کے لیے کوئی فائدے مند سودا نہیں ہو سکتا۔ سر سید سے لے کر آزاد، حالی اور شبلی ان کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے ادیب اور شاعر رہے ہوں گے جنہوں نے انگریزی پالیسی کو ماننے میں ہی اپنی عافیت سمجھی ہو گی۔ کسی بھی قوم کو علم اور نئی نئی ایجادات سے ہرایا جا سکتا ہے لیکن ہندوستانیوں میں اور خاص طور پر مسلمانوں میں تعلیمی بحران کے سبب نہ تو ان میں سیاسی سوجھ بوجھ تھی اور نہ ہی بادشاہت کے خاتمے کے بعد سے ان میں کوئی روشن خیالی کی بات سامنے آرہی تھی۔ جن مسلمانوں نے حالات کا جائزہ لے کر خود کو تبدیل کیا اور رواں وقت کے مطابق ڈھالا تو انہیں ہی آرام و آسائش بھی میسر آئے۔ اس وقت کی سیاسی صورت حال کا تذکرہ کچھ ایسا ہی تھا۔

1.2.2 ڈپٹی نذیر احمد کے زمانے کے سماجی حالات

کسی بھی سماج کی بنیاد اس بات پر منحصر کرتی ہے کہ اس میں اکثریت اصول پسند اور تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات رکھنے والوں کی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے ہر انسان اپنی فکر اور اپنا ادراک رکھتا ہے لیکن کسی سماج کو بنانے کے لیے جس یکسانیت، لگاؤ اور اپنائیت کی ضرورت ہوتی ہے اس سے مل کر ہی سماج بنتا ہے۔ ہمارا سماج جن بنیادی ڈھانچوں پر کھڑا ہوتا ہے اس میں اخلاقیات کا بڑا عمل دخل ہے علاوہ ازیں بھائی چارہ، ایثار، قربانی، تعیم و تربیت ایسے کچھ اجزا ہیں جن سے مل کر ایک معیاری سماج کی بنیاد پڑتی ہے۔ جس سماج میں انہیں اجزا کا فقدان ہو تو اس میں کسی بھی طرح کی ترقی تو درکنار بلکہ انسانیت کی بو بھی کم کم ہی آتی ہے۔ سر سید نے اسی طرح کے سماج سے بد ظن ہو کر کئی مضامین لکھے تھے جن میں انہوں نے کھانے پینے کے آداب، بات کرنے کے آداب، کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کس طرح کریں اور کس طرح اخلاقیات کے جذبے کو بلند پائے تک لے جائیں۔ ان تمام انسانی باتوں کو انہوں نے بہت سے مضامین میں لکھا اور انسان کو کتے سے بھی تعبیر کیا کہ جیسے کتے لڑتے جھگڑتے وقت کس طرح اپنے منہ سے جھاگ نکالتے ہیں اور کس طرح اپنے دانت باہر کی طرف کر لیتے ہیں۔ ہم انسان بھی اخلاقیات کی کمی کے سبب ان کتوں کی مانند ہی ہو جاتے ہیں اور انہیں کی طرح سلوک کرنے لگتے ہیں جب کہ ہمیں کس طرح انسانیت کو زندہ رکھنا چاہیے یہ کسی بھی سماج کے لیے اہم بات ہے۔ چوں کہ سر سید کے یہ مضامین ایک زمانے سے ان کی کتابوں اور ان کے پرچوں کا حصہ تھے اس لیے انہوں نے اخلاقیات کے حوالے سے ایک ماحول بنا دیا تھا اور "امید کی خوشی" نامی مضمون بھی ہمیں ہر حال میں مایوس نہ ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس اخلاقی رجحان سے ڈپٹی نذیر احمد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور انہوں نے سماج کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ان کے ناولوں اور لیکچروں میں اخلاقی پہلو کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب اور کلچر سے محبت کرنے کا درس بھی ملتا ہے۔ بلاشبہ نذیر احمد انگریزی تعلیم بلکہ جدید تعلیم کے خواہاں اور مداح تھے لیکن اس کے برعکس وہ تہذیب و تمدن کے معاملے میں اپنی ہندوستانی تہذیب، رہن سہن، کھان پان اور پہناوے کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔ لڑکیوں کی تعلیم کو بے حد اہم کام سمجھتے تھے۔ اس ذیل میں انہوں نے دو ناول "مراۃ العروس" اور "بنات النعش" لکھے۔ بنات النعش کو مراۃ العروس کا ہی حصہ سمجھنا چاہیے۔ دونوں ہی ناولوں میں تعلیم نسواں اور اس کے نہ ہونے پر کیا

کیا نقصان ہو سکتے یہ بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناول میں دو کردار اصغری اور اکبری کے ذریعے سے مثبت اور منفی فکر کے ساتھ ساتھ اخلاقیات اور بد اخلاقی کے کے فائدے اور نقصان کو بڑے ہی مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ناول توبۃ النصوح میں بچوں کی تربیت کو لے کر اہم نکات پیش کیے ہیں اور ساتھ ہی والدین کی کوتاہیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ بچے ایک عمر تک ہی تربیت حاصل کر سکتے ہیں اگر اس عمر تک ان میں اخلاقیات کے جراثیم پیدا نہیں کیے گئے تو پھر بعد میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ مذکورہ ناول میں کلیم نامی کردار جو کہ نصوح کا بیٹا ہوتا ہے وہ اپنے باپ سے بغاوت کر دیتا ہے اور ان سے بحث کرتے کرتے ایک دن یہ نوبت آ جاتی ہے کہ اسے گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح نذیر احمد نے بیوہ خواتین کی دوسری شادی جیسے اہم مسئلے کو اپنے ناول میں جگہ دی۔ وہ بلاشبہ جدید تعلیم کے مداح تھے، سائنس کی تعلیم کے حمایتی تھے لیکن انہوں نے انگریزی تہذیب سے گریز کیا جس کا اندازہ ان کے ناول "ابن الوقت" سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ مذکورہ ناول میں وہ ابن الوقت نامی کردار کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ کہا یہ بھی جاتا ہے کہ ابن الوقت کا کردار سر سید احمد خان کا ہے۔ سر سید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد، حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی کے علاوہ بھی کئی ایسے ادیب اور ادب نواز اس دور میں گزرے ہیں کہ جنہوں نے اخلاقیات کا درس دیا جس میں ڈپٹی نذید احمد بھی نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ایک بات اور غور طلب ہے وہ یہ کہ اس دور میں مسلمانانِ ہند کی صورت حال ہی کچھ ایسی تھی کہ انہیں اس طرح کے مسائل سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اگر یہ عمل ضروری نہ ہوتا تو اس وقت کئی ادیبوں نے اخلاقیات کی طرف توجہ نہیں دلائی ہوتی۔ سر سید یا ڈپٹی نذیر احمد کے لکچروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت زار کیا رہی ہوگی اور وہ ایک دم حاکم سے محکوم بن جانے کے سبب کس کرب سے گزرتے ہوں گے۔ اخلاقیات اور خوش گوئی ان کے نزدیک وقعت کھو چکی ہوگی ایسے میں ان کو اخلاقی درس دینا بھی آسان کام نہیں تھا لیکن بہر حال یہ کام بھی ہوا۔ ان تمام ادیبوں کی تخلیقات نیز شاعری اور نثری تحریروں سے اس دور کے حقائق بھی سامنے آ جاتے ہیں۔ ان ادیبوں نے اپنی ہر طرح کی کوششوں سے سماج کو ایک نئے قسم کی بیداری کی طرف راغب کرنے کی سعی کی تھی کہ جو ہو گیا اسے بھول کر اب نئی راہوں کی طرف جانا ہوگا کیوں کہ ظاہر ہے ماضی پرستی کسی بھی قوم کے لیے مفید ثابت نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے سیکھ کر آگے بڑھنا ہی بہتری اور عقلمندی ہے۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد کے عہد میں جدید تعلیم، تعلیم نسواں، اخلاقیات، امید اور مستقبل کے تئیں بے داری کو بڑھاوا دیا گیا ہے کیوں کہ سماج کو اس کی اشد ضرورت تھی اور اچھا ادیب وہی ہے جو سماج کی کمیوں اور خرابیوں کو اپنے ادب اور اپنی تحریروں میں پیش کر سکے تاکہ اس کے قاری اسے پڑھ کر سیکھ سکیں۔ مصنف چوں کہ بہت ہی حساس طبع ہوتے ہیں اور انہیں سماج کا عکاس بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے قلم سے اپنے سماج کی خوبیوں اور خامیوں دونوں صفات کو پیش کر دیتے ہیں۔ ایک بہتر سماج کو بھی چاہیے کہ ان خامیوں کو دور کرے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے جس طرح کا ماحول دہلی میں دیکھا اسے من و عن لکھا کہیں پر بناوٹ یا جھوٹ سے کام نہیں لیا بلکہ ان کے ناولوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ کردار تو ان کے ہی کنبے کے ہوں گے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سماج میں تعلیمی نظام اور اخلاقیات کا فقدان ہو چلا ہے اور پہلے سے کھڑی تعلمی نظام کی عمارت بھر بھرا کر گر چکی ہے ایسے میں سماج کو کسی نئے نظریے کی ضرورت ہوتی ہے جو ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی تحریروں اور لکچروں کے ذریعے سے دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہ بات بھی بڑے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ نذیر احمد محض ایک مصنف کی حیثیت سے ہمارے سامنے نہیں آتے ہیں بلکہ وہ تو

ایک ہمدرد انسان اور رحم دل شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں اور اپنی تحریروں کے ذریعے سے سماج میں پھیلی ہوئی کوتاہیوں، بد فعلیوں اور بری عادتوں سے خبر دار کرنا چاہتے ہیں۔

1.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- ڈپٹی نذیر احمد کی شخصیت کے بارے میں جانا کہ وہ تعلیم و تربیت کے تئیں کتنے سنجیدہ اور حساس تھے۔ انہوں نے اخلاقیات اور تربیت کا درس اپنے ناولوں اور لکچروں کے ذریعے دیا۔
- نذیر احمد نے جس دور میں ہوش سنبھالا تو انگریزی حکومت ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی۔ ایسے دور میں بھی انہوں نے خود کو علم کے حصول میں سرگرداں رکھا۔ حالاں کہ مشکل دور تھا اور سیاسی و سماجی اتھل پتھل بھی ہو رہی تھی، ایسے پر آشوب دور میں بھی انہوں نے تعلیم ہی پر توجہ مرکوز رکھی۔
- غدر جیسا واقعہ بھی ڈپٹی نذیر احمد کے سامنے ہی رونما ہوا اور اس کے بڑے ہی منفی اثرات مرتب ہوئے لیکن انہوں نے اپنی سوجھ بوجھ اور دانشمندی سے کام لیا۔ اس واقعے سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو متاثر نہیں ہوا تھا لیکن ایسے وقت میں بھی انہوں نے حکمت سے کام لیا۔
- اخلاقیات انسانی زندگی کو صحیح راہ پر لے جانے کے ساتھ ہی اس کی کثافت کو دور کر کے انسان کو سکون کی طرف بھی مائل کرتی ہے۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں اور دانشوروں نے اخلاقیات کو اپنانے کی تلقین کی ہے۔
- اردو کے عناصر خمسہ میں سے ایک اہم نام نذیر احمد کا بھی ہے جنہوں نے اردو کی بقا میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔
- سرسید کی زندگی کا بھی کچھ نہ کچھ اثر نذیر احمد پر ضرور تھا اسی لیے انہوں تعلیم و تربیت پر نہ صرف لکچر دیے بلکہ کئی ناول بھی لکھے جو اردو کے ابتدائی ناول ہوتے ہوئے بھی بے حد اہم ہیں۔
- نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں اس دور کے نہ صرف سماج پر اظہار خیال کیا ہے بلکہ سیاسی صورت حال کا عکس بھی ان کے ناولوں میں واضح طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔
- اردو ناول کے ابتدائی خدوخال ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب "مراۃ العروس" میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں صنف ناول کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ موصوف کے ناولوں کو ناول کے فن کی کسوٹی پر تو نہیں پرکھا جا سکتا کیوں کہ اس وقت اردو میں حوالے کے طور پر بھی کوئی ناول نہیں تھا۔
- ڈپٹی نذیر احمد نے جب اپنے اطراف کا جائزہ لینا شروع کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انگریزوں سے لڑنا تو سود مند نہیں ہے البتہ ہمیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی حاصل کرنی ہوگی تبھی ہماری ترقی ہو سکتی ہے۔
- ڈپٹی نذیر احمد نے جس طرح کا ماحول دہلی میں دیکھا اسے من و عن لکھا کہیں پر بناوٹ یا جھوٹ سے کام نہیں لیا بلکہ ان کے ناولوں

سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ کردار تو ان کے ہی کنبے کے ہوں گے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سماج میں تعلیمی نظام اور اخلاقیات کا فقدان ہو چلا ہے اور پہلے سے کھڑی تعلیمی نظام کی عمارت بھر بھرا کر گر چکی ہے ایسے میں سماج کو کسی نئے نظریے کی ضرورت ہوتی ہے جو ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی تحریروں اور لکچروں کے ذریعے سے دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ نذیر احمد اپنے قلم سے اپنے سماج کی خوبیوں اور خامیوں دونوں صفات کو پیش کر دیتے ہیں۔ ایک بہتر سماج کو بھی چاہیے کہ ان خامیوں کو دور کرے۔

1.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی	الفاظ	:	معنی
مظالم	:	ظلم کی جمع، بہت زیادہ ظلم	معترف	:	اعتراف کرنے والا
وا	:	کھولنا	تسلط	:	قبضہ کرنا
اعانت	:	مدد، سہارا	پروان	:	پختہ ہونا، جوان ہونا
نوعیت	:	قسم	نبرد آزما	:	جنگ آزمودہ، جنگی
رونما	:	ظاہر ہونا، دکھائی دینا	بد نظمی	:	بے انتظامی، درہم برہم
افادیت	:	فائدہ، فائدے کا پہلو	زبوں حالی	:	تباہ حالی
فقدان	:	کمی، انحطاط	فاتح	:	فتح کرنے والا
صحافی	:	اخبار میں خبریں لکھنے والا	تضادات	:	ضد، اختلاف، الٹا
نفسیاتی کشاکش	:	نفسیاتی کھینچا تانی، الجھن	خدوخال	:	چہرہ مہرہ، شکل وصورت
منفی اثرات	:	برے اثرات، یاس، ناامیدی			
روایت	:	کوئی رسم یا دستور جو پہلے سے چلا آرہا ہو			

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ نذیر احمد کی پیدائش کس ضلعے میں ہوئی تھی؟

(a) علی گڑھ (b) بجنور (c) دہلی (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ نذیر احمد نے اعلیٰ تعلیم کس شہر سے حاصل کی؟

(a) ممبئی (b) حیدر آباد (c) لاہور (d) دہلی

3۔ غدر کے بعد سب سے زیادہ جان مال کا نقصان کس کا ہوا تھا؟

(a) عیسائیوں کا (b) ہندوؤں کا (c) مسلمانوں کا (d) سکھوں کا

4۔ توبتہ النصوح کس کا ناول ہے؟

(a) مرزا ہادی رسوا (b) میر امن (c) پریم چند (d) ڈپٹی نذیر احمد

5۔ اردو کا پہلا ناول کس نے لکھا؟

(a) پریم چند (b) مولانا حالی (c) مولوی نذیر احمد (d) شبلی

6۔ نذیر احمد نے ناول "ابن الوقت" میں کس کو طنز کا نشانہ بنایا ہے؟

(a) غالب (b) مولانا آزاد (c) سر سید (d) پریم چند

7۔ بچوں کی تربیت پر لکھا ہوا اردو کا اہم ناول کون سا ہے؟

(a) امراؤ جان (b) آگ کا دریا (c) توبتہ النصوح (d) بستی

8۔ سر سید احمد خان نے اخلاقیات کا درس دینے کے لیے کون سا پرچہ نکالا تھا؟

(a) زمانہ (b) فکر و نظر (c) فنون (d) تہذیب الاخلاق

9۔ ڈپٹی نذیر احمد انگریزی سرکار میں کس عہدے پر فائز تھے؟

(a) ڈپٹی کلکٹر (b) انجینیر (c) ڈاکٹر (d) پروفیسر

10۔ نذیر احمد کس سرکار کے بے حد معترف تھے؟

(a) مغلیہ (b) انگریز (c) جمہوریت (d) انارکی

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ سیاست اور خاص طور پر اس وقت کی حکومت کے بارے میں نذیر حمد کا نظریہ کیسا تھا؟

2۔ دہلی کے بادشاہ کو کیوں گرفتار کر لیا گیا تھا اور کس مقام پر قید کیا گیا تھا؟

3۔ ڈپٹی نذیر احمد اپنی تحریروں، ناولوں اور لکچروں میں کس بات پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے؟

4۔ سیاسی کشمکش سے نذیر احمد نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟

5۔ زمانہ غدر میں سیاسی اور اقتصادی طور پر کس قوم کو تباہ کر دیا گیا تھا؟

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ ڈپٹی نذیر احمد انگریزی سرکار کے بہت بڑے مداح تھے۔ کیوں؟

2۔ ڈپٹی نذیر احمد کے زمانے میں تمام ادیبوں اور دانشوروں کی سیاسی فکر کیا تھی وضاحت کریں۔

3۔ نذیر احمد کے عہد میں جو سیاسی اتھل پتھل ہوئی تھی اس کے زیر اثر سماج کی تصویر کشی کریں۔

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	اردو کا پہلا ناول نگار	اویس احمد ادیب
2۔	نذیر احمد کے ناول	ڈاکٹر اشفاق محمد خاں
3۔	نذیر احمد (مونو گراف)	نورالحسن نقوی
4۔	فکر نو (2012-13)، نذیر احمد نمبر	ذاکر حسین کالج، دہلی
5۔	مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی	مرزا فرحت اللہ بیگ
6۔	مولوی نذیر احمد کی چار نایاب مطبوعات	اسلم پرویز

1.5.1 کے جوابات	1۔B	2۔D	3۔C	4۔D	5۔C
	6۔C	7۔C	8۔D	9۔A	10۔B

اکائی 2: ڈپٹی نذیر احمد کے حالاتِ زندگی

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 سوانحی حالات

2.3 تعلیم

2.4 ملازمت

2.5 شخصیت

2.6 اکتسابی نتائج

2.7 کلیدی الفاظ

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

نذیر احمد کا شمار اردو کے صف اول کے مصنفوں میں ہوتا ہے۔ اردو ادب میں سادہ نثر کی بنیاد تو فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے رکھی لیکن اس اسلوب کو درجہ کمال تک پہنچانے اور اسے اردو کی جدید علمی وادبی اصناف میں برتنے کا سہرا سرسید احمد خان اور ان کے رفقا کے سر جاتا ہے جن میں نذیر احمد کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نذیر احمد کی شخصیت نہایت کثیر الجہت اور پہلو دار تھی۔ وہ عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ ساتھ ہی اردو کے پہلے ناول نگار بھی تھے۔ انہی کے ہاتھوں اردو میں ناول نگاری کی بنیاد پڑی۔ انہوں نے اپنے شوق اور محنت سے انگریزی سیکھی اور کئی قانونی کتابوں کے انگریزی سے اردو میں بہترین ترجمے کیے۔ علمی اور اخلاقی موضوعات پر مضامین لکھے جو سرسید کے پرچے "تہذیب الاخلاق" میں شائع ہوئے۔ انہوں نے بچوں کے لیے بھی کتابیں لکھیں۔ وہ ایک بلند پایہ مقرر اور خطیب بھی تھے۔ ان کے لیکچر عوام کے علاوہ اہل علم بھی بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔

اس اکائی میں ہم نذیر احمد کے حالات زندگی اور شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نذیر احمد کی پیدائش اور خاندانی حالات بیان کر سکیں۔
- نذیر احمد کی ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم پر روشنی ڈال سکیں۔
- نذیر احمد کی مختلف ملازمتوں کا حال بیان کر سکیں۔
- نذیر احمد کی شادی اولاد اور وفات کا تذکرہ کر سکیں۔
- نذیر احمد کو حاصل ہونے والے انعامات و اعزازات کا تذکرہ کر سکیں۔
- نذیر احمد کے ظاہری حلیے اور اخلاق و عادات پر اظہار خیال کر سکیں۔

2.2 سوانحی حالات

پیدائش اور خاندانی کوائف: نذیر احمد موضع ریہڑ پرگنہ افضل گڑھ تحصیل نگینہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نذیر احمد کے پہلے سوانح نگار سید افتخار عالم بلگرامی نے ان کی سوانح عمری "حیات النذیر" میں ان کی تاریخ ولادت بہت چھان بین کے بعد 6 / ڈسمبر 1836ء متعین کی لیکن ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "مولوی نذیر احمد دہلوی: احوال و آثار" میں اس کی تردید کی اور مدلل بحث کر کے ان کا سال ولادت 1930 متعین کیا ہے۔ خود نذیر احمد نے اپنی ملازمت کے رکارڈ میں اپنی تاریخ پیدائش 21 / ستمبر 1833ء درج کروائی ہے۔ ان سب میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا متعین کردہ سنہ درست معلوم ہوتا ہے۔

نذیر احمد کے والد کا نام سعادت علی تھا جو مذہبی تعلیم سے بہرہ ور نیک انسان تھے۔ ان کے جد اعلیٰ شیخ عبد الغفور اعظم پوری مشہور عالم دین اور صوفی شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے۔ یہ سارا خاندان اپنے علم و فضل کی وجہ سے معروف تھا اور اس خاندان کے افراد پیرزادے کہلاتے تھے۔ مولوی سعادت علی کی شادی موضع ریہڑ کے ایک صاحب جائداد اور خوش حال رئیس قاضی غلام علی شاہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ انہوں نے مولوی سعادت علی کو خانہ داماد کے طور پر اپنے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ اس لیے نذیر احمد کی پیدائش موضع ریہڑ میں اپنے ننہیال میں ہوئی۔ مولوی سعادت علی کو چھے اولادیں ہوئیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ نذیر احمد ان کی دوسری اولاد تھے۔

جب نذیر احمد کے نانا قاضی غلام علی کا انتقال ہوا تو ان کے ورثا میں جائداد کی تقسیم کو لے کر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نذیر احمد کے والد مولوی سعادت علی جھگڑے فساد سے دور بھاگتے تھے۔ طبعاً وہ نہایت قناعت پسند تھے۔ انہوں نے اپنے خسر کی جائداد کے جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے اپنی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ ریہڑ کی سکونت ترک کر دی اور بجنور آکر اپنے آبائی مکان میں رہنے لگے۔ اس وقت نذیر احمد کی عمر چار سال تھی۔ بجنور میں مولوی سعادت علی نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا اور رئیسوں کے بچوں کو پڑھانے لگے۔ لیکن اس سے

انہیں نہایت قلیل آمدنی ہوتی تھی اس لیے ان کی زندگی مفلسی اور خستہ حالی میں بسر ہوتی تھی۔

2.3 تعلیم

ابتدائی تعلیم: نذیر احمد کے والد مولوی سعادت کو عربی اور فارسی میں مہارت حاصل تھی۔ شعر و ادب کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ نذیر احمد کی ابتدائی تعلیم روایت کے مطابق گھر پر ہی ہوئی۔ ان کے والد ان کے پہلے استاد تھے۔ انہوں نے کچھ دن ان کو خود پڑھایا پھر مکتب میں داخل کر دیا لیکن مکتب کی تعلیم سے وہ مطمئن نہ ہو سکے اس لیے انہوں نے نذیر احمد کو مکتب سے نکال کر خود فارسی اور عربی کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ نو سال کی عمر تک نذیر احمد اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے دوسری کتابوں کے علاوہ مینا بازار، پنج رقعہ اور سہ نثر ظہوری ختم کر لی، تعلیم کے ساتھ ان کے والد نے ان کی تربیت بھی کی اور شریفانہ زندگی گزارنے کے طور طریقے سکھائے۔ نذیر احمد کی بعد کی زندگی پر والد کی تربیت کے گہرے نقوش نظر آتے ہیں۔

اسی زمانے میں جب کہ نذیر احمد اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے مولانا عبد العلیم نصر اللہ خاں خورجوی بحیثیت ڈپٹی کلکٹر بجنور میں تعینات ہوئے۔ نصر اللہ خاں خوارجوی عربی اور فارسی کے زبردست عالم و فاضل تھے۔ وہ فرصت کے اوقات میں بچوں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔ مولوی سعادت علی خاں نے نذیر احمد اور ان کے بڑے بھائی علی احمد کو ان کی شاگردی میں دے دیا۔ دونوں بھائیوں نے ان سے صرف و نحو، عربی ادب اور فلسفہ و منطق کا درس لیا۔ جب ڈپٹی نصر اللہ خاں کا تبادلہ مظفر نگر ہو گیا تو وہ دونوں بھائیوں کو والد کی اجازت سے اپنے ساتھ مظفر نگر لے گئے۔ مظفر نگر کے بعد جب ان کا تبادلہ اعظم گڑھ ہو گیا تو انھوں نے نذیر احمد کے والد کو مشورہ دیا کہ دونوں بچوں کو مزید تعلیم کے لیے دہلی کے کسی مدرسے میں داخل کریں۔ اس وقت تک نذیر احمد ڈپٹی نصر اللہ خاں سے عربی نحو میں شرحِ ملا، منطق میں تہذیب اور میر قطبی اور فلسفے میں میبذی کی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ نذیر احمد کی شخصیت کی تعمیر میں ڈپٹی نصر اللہ خاں خورجوی کا بڑا حصہ رہا۔

مسجد اورنگ آبادی کے مدرسے میں داخلہ: ڈپٹی نصر اللہ خاں خورجوی کے مشورے کے مطابق نذیر احمد کے والد دونوں بچوں کو لے کر دہلی پہنچے اور انہیں مولوی عبد الخالق پیش امام و متولی شاہی مسجد کے سپرد کیا۔ مولوی صاحب نے پنجابی کٹرے کی مسجد میں ان بچوں کے رہنے کا انتظام کیا۔ اس مسجد کا نام اورنگ آبادی مسجد تھا اور اس میں عربی کا ایک مدرسہ بھی قائم تھا۔ یہاں مولوی عبد الخالق تعلیم دیتے تھے۔ اسی مدرسے میں نذیر احمد کو داخل کرایا گیا۔ یہاں انھیں بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور ایسے تجربے ہوئے جن کی تلخی آخر وقت تک باقی رہی۔ یہ ان کی زندگی کا بدترین دور تھا۔ اس مدرسے میں غریب طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے علاقوں سے آتے تھے لیکن یہاں ان کے کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کمسن و نادار طلبا مسجد کے آس پاس پنجابی مسلمانوں کے گھروں سے روٹیاں مانگ کر پیٹ بھرتے تھے۔ نذیر احمد بھی روٹیاں مانگ کر گزارا کرتے تھے۔

کم عمری کی وجہ سے نذیر احمد کو ایک اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے استاد مولوی عبد الخالق نے انھیں اپنے زنان خانے میں خدمت گار کے فرائض انجام دینے کی ذمہ داری سونپی۔ ان کے کاموں میں بازار سے سودا سلف لانا، اوپر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا، مسالہ پیسنا

شامل تھا۔ مولوی صاحب کی پوتی نذیر احمد سے اتنا مسالہ پسواتی کہ مسالہ پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ اگر وہ پیسنے سے ہاتھ روکتے تو وہ انگلیوں پر بٹے سے مارتی جس سے ان کی جان نکل جاتی۔ سیر دو سیر مسالہ پسوانے کے بعد ہی وہ روٹی دیتی اور پھر گھر سے نکلنے دیتی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آگے چل کر اسی لڑکی سے نذیر احمد کی شادی ہوئی۔ وہ اپنی اہلیہ کو پچھلی باتیں یاد دلا کر اکثر ستایا کرتے تھے۔

اورنگ آبادی مسجد کی طالب علمی کے زمانے میں نذیر احمد کو اور بہت سی دقتوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مسجد میں کوئی سہولت میسر نہ تھی۔ نہ سونے کے لیے بستر نہ مناسب لباس اور نہ ہی پڑھنے کے لیے کتابیں۔ دس بارہ طالب علموں کی جماعت ہوتی اور عموماً صرف ایک کتاب، ایک بلند آواز میں کتاب پڑھتا اور باقی صرف سنتے۔ مسجد کا سنگی فرش گرمیوں میں تپتا اور سردیوں میں برف کی سل کی طرح سرد رہتا تھا۔ نذید احمد کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ انھیں جب کوئی کتاب میسر آجاتی تو اسی فرش پر کہنیاں ٹکا کر کتاب پر جھک جاتے اور گھنٹوں اسی حالت میں مطالعہ کرتے رہتے۔ کثرت مطالعہ کی وجہ سے ان کی کہنیوں کی کھال ایسی سخت ہوگئی تھی جیسے کسی نے سوکھے چمڑے کا پیوند لگا دیا ہو۔

مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود نذیر احمد نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف رہے۔ اورنگ آبادی مسجد کے مدرسے میں طلبا کو روئی اور تیل دیا جاتا تھا تا کہ وہ رات کے وقت چراغ جلا کر روشنی کریں۔ "دیگر طلباء کی طرح مولانا" [نذیر احمد] کو بھی بتی کے واسطے تھوڑی سی روئی اور تیل دے دیا جاتا تھا۔ جس طالب علم کے پاس تیل زیادہ جلتا تھا وہی تعریف کا مستحق ہوتا تھا۔ اس تعریف کے اہل مولانا ہی ثابت ہوتے تھے کیونکہ اور سب طالب علم سو جاتے تھے اور تنہا مولانا چراغ کے آگے اپنا سبق یاد کرتے رہتے تھے۔" (بحوالہ تذکرہ شمس العلما حافظ نذیر احمد مرحوم مرتبہ محمد مہدی ص 4)

اگر وہ اس محنت اور ریاضت سے مطالعے اور حصول علم میں وقت نہ لگاتے اور آرام طلب ہوتے تو آج انھیں کون جانتا۔ مدرسے کے ناساز گار ماحول نے انھیں گمنامی کے اندھیرے میں دھکیل دیا ہوتا۔ سچی لگن اور جاں توڑ محنت نے ان کے لیے ترقی کا راستہ ہموار کیا۔ نذیر احمد پنجابی کٹڑے کی مسجد (اورنگ آبادی مسجد) کے مدرسے کے ماحول اور طرز تعلیم سے مطمئن نہ تھے۔ وہ نہایت تلخی سے اس ماحول کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "مجھ کو تو کسی مولوی نے نہ آپ پڑھایا نہ پڑھنے دیا۔ آپ نہیں پڑھایا تو خیر ایک بات ہے، شکایت تو اس کی ہے کہ پڑھنے بھی نہیں دیا۔ وہ اس طرح کہ مجھ جیسے کم عمر لڑکے مولویوں کے زنان خانے میں جاتے تھے اور ان سے خدمت گاری کا کام لیا جاتا تھا۔ معاوضہ اس کا کہ مسجد میں رہتے ہیں۔ پس مسجد ان کے لیے بھٹیاری کی سرائے تھی اور اس کا کرایا مولویوں اور مولونوں کی خدمت۔ جس جس پہلو سے میں اس وقت کو یاد کرتا ہوں جب کہ میں پنجابی کٹڑے کی مسجد میں تھا تو پاتا ہوں کہ میری ساری عمر میں بدترین وقت تھا اور اگر اس کو چار پانچ برس کا بھی امتداد ہوتا تو میں دنیا اور دین دونوں طرف سے تباہ ہو لیا تھا۔"

(بحوالہ نذیر احمد، نورالحسن نقوی ص 11)

لیکن خوش قسمتی سے مسجد کی تعلیم نے طول نہ کھینچا اور انھیں دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہوا۔

دہلی کالج میں داخلہ: نذیر احمد کے دہلی کالج میں داخلے کا واقعہ کسی کہانی سے کم دلچسپ نہیں۔ ہوا یہ کہ ایک دن نذیر احمد مدرسے سے فرصت پا کر گھومتے گھامتے کشمیری دروازے کی طرف جا نکلے۔ دیکھا کہ دہلی کالج میں بڑا ہجوم ہے۔ وہ بھیڑ میں گھس گئے۔ معلوم ہوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے مفتی صدر الدین صاحب آئے ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ چلو ہم بھی دیکھیں۔ بر آمدے میں پہنچے۔ قد چھوٹا تھا لوگوں کی ٹانگوں میں سے ہوتے ہوئے گھس گھسا کر کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے جہاں لڑکوں کا امتحان ہو رہا تھا۔ ایک کرسی پر مفتی صدر الدین آزردہ صاحب بیٹھے تھے اور دوسری کرسی پر کالج کے پرنسپل صاحب۔ یہ تماشے میں محو تھے کہ پرنسپل صاحب کسی کام کے لیے اٹھے۔ چپراسیوں نے راستہ صاف کرنا شروع کیا۔ جو لوگ دروازہ روکے کھڑے تھے، وہ پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ چپراسی زبر دستی دھکیل رہے تھے۔ اس دھکا پیل میں نذیر احمد کا پاؤں رپٹا اور وہ دھڑام سے فرش پر گر گئے۔ اتنی دیر میں پرنسپل صاحب بھی دروازے تک آگئے تھے۔ انہوں نے نذیر احمد کو اٹھایا اور ہمدردی سے پوچھتے رہے کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے پوچھا "میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو "نذیر احمد نے کہا "معلقات "صاحب کو حیرت ہوئی کہ اتنا چھوٹا سا لڑکا اور معلقات جیسی عربی ادب کی بھاری کتاب پڑھ رہا ہے۔ وہ بجائے اپنے کام کو جانے کے انہیں سیدھا مفتی صاحب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے "مفتی صاحب یہ لڑکا کہتا ہے میں معلقات پڑھتا ہوں ذرا دیکھیے تو سہی سچ کہتا ہے یا یوں ہی باتیں بناتا ہے"۔ مفتی صاحب نے سوالات پوچھے نذیر احمد نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیے۔ آخر پوچھا کالج میں پڑھوگے؟ یہ خوشی سے آمادہ ہوگئے۔ چار روپے مہینہ وظیفہ مقرر ہوا۔ انھوں نے خود داخلہ لیا اور اپنے بڑے بھائی علی احمد کو بھی داخل کرادیا۔

نذیر احمد کالج کی عربی جماعت میں داخل ہوئے۔ انھیں اب سکون سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور وہ تیز رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔ ایک تو انھیں علم حاصل کرنے کا شوق تھا دوسرے پڑھانے والے لائق اساتذہ تیسرے ایک مضمون اور وہ بھی ایسا جس کا انھیں بچپن سے شوق تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں اپنی جماعت میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ دلی کالج میں ابھی وہ زیر تعلیم ہی تھے کہ ان کے والد وفات پا گئے اور گھر کی ذمہ داری بھی ان دونوں بھائیوں پر آپڑی۔ چار روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا جس میں سے بچا کر وہ اپنے گھر والوں کی کفالت کرتے تھے۔ کالج میں نذیر احمد پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا سارا وقت مطالعے میں صرف کرنے لگے۔ اس محنت کا یہ نتیجہ نکلا کہ تعلیم میں ترقی ہوتی گئی اور وظیفہ بھی اوپر کی جماعت میں پہنچتے پہنچتے بارہ روپے مہینہ ہو گیا۔ کچھ روپے وہ کتابوں کے پروف پڑھ کر کما لیتے اور کوئی استاد رخصت پر ہوتا تو اس کی جگہ لڑکوں کو پڑھاتے جس کا انھیں معاوضہ ملتا اس طرح انھوں نے مالی دشواریوں پر بڑی حد تک قابو پا لیا۔

شادی: دلی کالج میں داخلہ لینے کے بعد نذیر احمد نے کڑے کی مسجد میں قیام کو ترک کر دیا۔ وہ اسی محلے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ ان کے پڑوس میں مولوی غلام حسین رہتے تھے جن کی نذیر احمد کے استاد مولوی عبد الخالق سے کچھ رشتہ داری تھی۔ انھوں نے نذیر احمد کو اپنے بیٹے احمد حسین کو فارسی پڑھانے کی ذمہ داری سونپی اور بدلے میں اپنے کارچوب کے کارخانے میں ایک کوٹھڑی رہنے کے

لیے انھیں دی۔ نذیر احمد وہیں رہنے لگے اور انہی کے گھر کھانا کھانے لگے۔ وہ ہر ماہ تین روپے خوراکی کے مولوی غلام حسین کو ادا کرتے تھے۔ پکوان کی جھنجھٹ سے فراغت پا کر وہ اپنا سارا وقت پڑھائی میں صرف کرنے لگے۔ اسی دوران مولوی غلام حسین نے ان کی شادی کی بات بھی چلادی ان کی کوشش سے نذیر احمد کا رشتہ ان کے استاد مولوی عبد الخالق کے بیٹے مولوی عبد القادر کی بیٹی سے طئے پایا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو نذیر احمد سے سیر وں مسالے پسواتی تھی۔ بہر حال شادی ہو گئی مفتی صدر الدین آزردہ نے نکاح پڑھایا۔ لیکن نذیر احمد کی والدہ اس شادی سے خوش نہیں تھیں۔ وہ ان کا رشتہ اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے آخر وقت تک اس رشتے کو قبول نہیں کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ نذیر احمد پہلے اپنے گھر کے حالات درست کریں اور بعد میں شادی کریں۔

نکاح سے پہلے نذیر احمد نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ اپنی بیوی کا خرچ خود اٹھائیں گے۔ مولوی عبد القادر خوش حال آدمی تھے وہ نذیر احمد کو خانہ داماد بنا کر اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے مگر نذیر احمد کی غیرت نے انھیں اس پیش کش کو قبول کرنے سے روکا۔ آخر میں درمیانی راستہ یہ نکالا گیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سسرال میں رہیں گے لیکن دونوں کے کھانے کا خرچ تین روپے ماہوار ادا کریں گے۔ نذیر احمد کی نظر میں یہ رقم بہت کم تھی خاص طور پر اس لیے بھی کہ آسودہ حال گھرانہ ہونے کے ناتے ان کی سسرال میں معیاری پکوان ہوتے تھے۔ سسرال میں نذیر احمد صرف دال چپاتی پر قناعت کرتے، اچھے کھانوں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ ان کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ عیدوں کے موقع پر سسرال کی طرف سے ان کے لیے نئے کپڑے آئیں۔ نذیر احمد کی اس خودداری کی وجہ سے بعض اوقات تلخی بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن جب ان کی مالی حیثیت سدھرنے لگی تو گھر کا ماحول بھی خوش گوار ہو تا گیا۔

نذیر احمد کو کثرت سے اولادیں ہوئیں۔ انھیں بیس بچے ہوئے لیکن ان میں سے صرف تین نے لمبی زندگی پائی۔ باقی کمسنی میں فوت ہو گئے۔ لمبی حیات پانے والے بچوں میں دو لڑکیاں سکینہ بیگم اور صغریٰ بیگم اور ایک فرزند بشیر الدین احمد تھے۔

2.4 ملازمت

نذیر احمد نے دہلی کالج میں 1845ء سے 1854ء تک تعلیم حاصل کی۔ ابھی تعلیم کا سلسلہ اختتامی مراحل میں تھا کہ انھیں ملازمت کی فکر ستانے لگی۔ جب تکمیل کا وقت بالکل قریب آن پہنچا تو ملازمت کی ایک صورت بھی نکل آئی۔ ہوا یہ کہ حکومت نے پنجاب کے ضلع گجرات میں مدرسوں کے قیام کا فیصلہ کیا اور دہلی کالج سے چھے استاد مانگے۔ چونکہ دہلی کالج میں خود اساتذہ کی کمی تھی اس لیے یہ طئے کیا گیا کہ ایسے لائق طلبا کو جن کی تعلیم مکمل ہونے والی تھی بہ طور استاد بھیجا جائے۔ نذیر احمد کا شمار بھی کالج کے ہونہار طلبا میں ہوتا تھا اس لیے انھیں یقین تھا کہ ان کا انتخاب ہو گا لیکن ان کا انتخاب نہ ہو سکا۔ اس ناکامی سے انھیں بڑا رنج ہوا لیکن خوش قسمتی سے ایک منتخب امیدوار بیمار ہو گیا اور راستے ہی سے لوٹ آیا۔ اس کی جگہ نذیر احمد کو جو اس دوران اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے بھیجا گیا۔ اس طرح نذیر احمد کنجاہ کے مدرسے میں چالیس روپے ماہوار پر مدرس مقرر ہوئے۔

اجنبی ماحول، نامانوس زبان اور طلبا کی عدم دستیابی کے سبب نذیر احمد اس ملازمت سے خوش نہ تھے۔ انھوں نے دوسری ملازمت کے لیے ادھر ادھر درخواستیں روانہ کیں۔ آخر دو مقامات سے انھیں ملازمت کی پیش کش ہوئی۔ اجمیر کالج سے سو روپے ماہوار پر عربی کے

استاد کی اور کان پور سے اسی روپے ماہوار پر ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی۔انھوں نے دوسری ملازمت پسند کی اور پنجاب کی ملازمت ترک کر کے کان پور پہنچے اور نئی ملازمت پر رجوع ہو گئے۔یہاں ایک انگریز کپتان فلر انسپکٹر مدارس تھے جن سے نذیر احمد کی نہیں بنی اور انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔اسی دوران 1857 کی بغاوت کا واقعہ پیش آیا اور وہ بڑی مشکلوں سے دہلی پہنچ سکے۔

غدر کی شورش تھمی تو ماسٹر رامچندر (دہلی کالج کے استاد) کی سفارش پر ڈائرکٹر تعلیمات ہنری اسٹیوارٹ ریڈ نے نذیر احمد کو آلہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر مامور کیا۔الہ آباد میں نذیر احمد کا قیام عبد اللہ خاں کے مکان پر تھا جو امین عدالت تھے۔ان کے شوق دلانے اور حالات کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے نذیر احمد نے انگریزی سیکھنی شروع کی۔ابتدا میں عبد اللہ خاں ہی ان کے انگریزی کے استاد تھے بعد میں انہوں نے سر ولیم میور کے داماد مسٹر لو سے بذریعہ خط وکتابت انگریزی کی استعداد میں اضافہ کیا۔علاوہ ازیں انھوں نے ایک پادری ریورنڈ اسکلٹن سے توریت پڑھی اور انگریزی زبان میں اچھی خاصی لیاقت پیدا کر لی۔

ترجمے کے میدان میں: نذیر احمد الہ آباد ہی میں تھے کہ انکم ٹیکس ایکٹ جاری ہوا جو انگریزی میں تھا۔حکام کو اس کے اردو ترجمے کی ضرورت محسوس ہوئی۔سر ولیم میور اس زمانے میں ریونیو بورڈ کے سینیر ممبر تھے۔انہوں نے الہ آباد کے ڈپٹی کلکٹر میر ناصر علی کو انکم ٹیکس ایکٹ کے اردو ترجمے کی ضرورت سے آگاہ کیا۔میر ناصر علی نے اس کام کے لیے نذیر احمد کا نام پیش کیا۔نذیر احمد محنتی تو تھے ہی انھوں نے رائل ڈکشنری خریدی اور اس کی مدد سے ترجمے کا کام شروع کیا۔ان کا ترجمہ ولیم میور کو بہت پسند آیا۔انھوں نے نذیر احمد کے افسر بابو شیو پرشاد کو ہدایت کی کہ نذیر احمد کو ملازمت کے کاموں سے فارغ کریں تاکہ وہ پوری توجہ کے ساتھ سارا وقت ترجمے کے کام پر لگائیں۔نذیر احمد خوش تھے کہ انہیں بابو شیو پرشاد کی تند مزاجی سے نجات ملے گی لیکن بابو شیو پرشاد نہایت چالاک آدمی تھے،انہوں نے کوشش کر کے خود کو بھی ترجمے کے کام میں شامل کروا کر لیا اور یہاں بھی وہ نذیر احمد کے افسر رہے۔اس سے نذیر احمد بڑے بدمزہ ہوئے لیکن انہوں نے جوں توں ترجمے کا کام مکمل کر لیا۔ترجمے کے اس کام سے نذیر احمد کے اندر یہ اعتماد پیدا ہو گیا کہ وہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر سکتے ہیں۔

اسی زمانے میں انڈین پینل کوڈ کے اردو ترجمے کا کام درپیش ہوا۔اس کے لیے حکومت نے مترجمین کی ایک جماعت تشکیل دی تھی۔اردو ترجمے کی اصلاح کا کام مسٹر ریڈ ڈائریکٹر تعلیمات کے حوالے کیا گیا۔انھوں نے نذیر احمد کو یہ ذمہ داری سونپی کے اردو ترجمہ انہیں پڑھ کر سنا دیا کریں۔مسٹر ریڈ مترجمین کے ترجمے سے مطمئن نہ ہوتے اور اکثر جھلا جاتے۔ایک دن نذیر احمد نے کچھ دفعات کا خود بھی ترجمہ کیا اور ڈائریکٹر کو سنانا چاہا۔انھوں نے کہا تم تو انگریزی نہیں جانتے۔تم ترجمہ کیسے کر سکتے ہو؟نذیر احمد بولے "میں نے رائل ڈکشنری کی مدد سے ترجمہ کیا ہے"۔اس پر مسٹر ریڈ مسکرائے اور بولے "انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ رائل ڈکشنری کی مدد سے نہیں ہو سکتا"۔انھوں نے کہا "ایک مرتبہ سن تو لیجئے"۔انھوں نے سنا اور بہت خوش ہوئے اور نذیر احمد کو مترجمین کی جماعت میں شامل کر دیا۔یہاں بھی وہ اپنی لیاقت اور محنت سے سب پر چھا گئے۔انڈین پینل کوڈ (قانونِ تعزیرات ہند) کا ترجمہ نذیر احمد کا نہایت اہم کارنامہ ہے۔

انڈین پینل کوڈ کے اردو ترجمے کے انعام کے طور پر نذیر احمد کو ڈپٹی کلکٹر نامزد کیا گیا اور فوری طور پر انھیں تحصیلدار کے عہدے پر مامور کیا گیا۔انہوں نے بہ حیثیت تحصیلدار پہلے کانپور پھر گورکھپور میں کام کیا۔اس دوران انہوں نے اولین فرصت میں یعنی چار ماہ کے

اندر ہی تحصیلداری کا امتحان دیا اور درجہ اول میں کامیابی حاصل کی۔

1864ء میں نذیر احمد ڈپٹی کلکٹر ہوگئے۔ انہوں نے ڈپٹی کلکٹری کا امتحان بھی درجہ اول میں کامیاب کیا۔ جب نذیر احمد بہ حیثیت ڈپٹی کلکٹر گھور کھپور آئے تو یہاں ان کی ملاقات مسٹر لپورون مہتم بندوبست سے ہوئی جو نذیر احمد کو بہت پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون " قانون شہادت "کا نذیر احمد سے اردو میں ترجمہ بھی کروایا تھا۔

گھور کھپور سے نذیر احمد کا تبادلہ اعظم گڑھ ہوا۔ اس وقت مسٹر لپورون نے یہ اشتہار شائع کیا کہ علم ہئیت سے متعلق کول مین کی کتاب ہیونز(Heavens) کا اردو میں ترجمہ مطلوب ہے۔ سب سے بہتر ترجمہ کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ لپورون نے نذیر احمد سے یہ اصرار کہا کہ وہ بھی اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کریں۔ جملہ گیارہ ترجمے وصول ہوئے جن میں نذیر احمد کا ترجمہ سب سے بہتر قرار دیا گیا اور وہ انعام کے مستحق ٹھیرے۔

حیدرآباد کی ملازمت: مملکت آصفیہ حیدرآباد کے وزیر اعظم سر سالار جنگ اول ریاست کے نظم ونسق میں بڑے پیمانے پر اصلاح لانا چاہتے تھے۔ اس کام کے لیے انھیں لائق اور باصلاحیت افراد کی ضرورت تھی۔ محسن الملک نے نذیر احمد کے نام کی سفارش کی۔ سر سید بھی اس کے محرک تھے۔ سر سالار جنگ نے نذیر احمد کو اعلیٰ عہدے کی پیش کش کی لیکن نذیر احمد اس وقت تک بڑے زمانہ شناس ہو چکے تھے۔ انہوں نے فوری طور پر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ عذر پیش کیا کہ ان کے کئی عزیز ان کی سر پرستی میں ہیں اور وہ ان سے جدا ہونا نہیں چاہتے۔ سر سالار جنگ نے مزید فراخدلی دکھائی اور انہیں لکھا کہ وہ اپنے عزیزوں کو ہمراہ لے آئیں۔ انہیں حسب لیاقت ملازمت دی جائے گی۔ اب نذیر احمد رضامند ہوئے اور انہوں نے اعظم گڑھ کی ڈپٹی کلکٹری سے دو سال کی رخصت حاصل کی اور اپنے عزیزوں کو ساتھ لے کر 27/ اپریل 1877ء کو حیدرآباد پہنچے اور نواب محسن الملک کی کوٹھی میں قیام کیا۔ ان کی تنخواہ بارہ سو چالیس روپے مقرر ہوئی۔ "حسب شرط نذیر احمد نے اپنے عزیزوں میں اپنے بڑے داماد مولوی احمد حسین کو تعلقدار، چھوٹے داماد مولوی محمد اشرف الحق کو مددگار بندوبست اور بیٹے مولوی بشیر الدین کو تعلقداری دلوائی اور ان کے علاوہ اپنے سالے مولوی عبدالاحد کو ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کرایا اور ان کے بہنوئی مولوی رفیع الدین احمد تحصیل داری پر مامور ہوئے۔ زیادہ تر رشتہ دار خود نذیر احمد کی ماتحتی میں رہے"۔ (بحوالہ جمیل احمد، نذیر احمد (مونو گراف) دہلی 2013ص 39)

حیدرآباد میں نذیر احمد کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ مختلف مقامات کا دورہ کرکے وہاں کے دفاتر کا معائنہ کریں اور ان کی کارکردگی کی تفصیلی رپورٹ حکومت کو پیش کریں۔ نذیر احمد نے یہ کام بڑی محنت اور لگن سے انجام دیا اور اس کے صلے میں فوراً ہی ترقی پائی یعنی ناظم بندوبست سے منصرم صدر تعلقدار ہوگئے۔ اسی دوران میں انہوں نے قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ سر سالار جنگ ان کی لیاقت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ اپنے دونوں بیٹوں کی تعلیم کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی۔ حیدرآباد میں قیام کے دوران نذیر احمد نے کم سن نظام سرکار (نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس) کی تعلیم کے لیے کچھ رسالے بھی تصنیف کیے۔

اپنی محنت، لیاقت، فرض شناسی اور دیانتداری کی بدولت نذیر احمد نے ریاست حیدرآباد میں ترقی کی اعلیٰ منزلیں سر کیں۔ سر سالار جنگ نے انھیں مجلس مال گزاری یعنی ریونیو بورڈ کا ممبر نامزد کیا۔ ان کی تنخواہ سترہ سو مقرر ہوئی۔ اس کے بعد نذیر احمد برطانوی

حکومت کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔ حیدر آباد میں نذیر احمد نے 1877 سے 1885 تک آٹھ سال کا عرصہ گزارا اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اس عرصے میں انھیں سر سالار جنگ کا اعتماد اور سرپرستی حاصل رہی۔ لیکن سر سالار جنگ کے انتقال کے بعد حیدر آباد کے حالات ان کے لیے ناموافق ہوگئے۔ محسن الملک سے بھی ان کے تعلقات بگڑ گئے۔ بد دل ہو کر انہوں نے 1885 میں ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور دہلی لوٹ آئے۔ ان کی کارکردگی کے صلے میں نظام سرکار نے ان کے لیے چھ سو روپیے ماہوار وظیفہ مقرر کیا جو تادم زیست ان کو ملتا رہا۔

تصانیف: نذیر احمد اردو کے صاحب طرز ادیب، ناول نگار اور انشاپرداز تھے۔ وہ ایک زبردست ترجم، اچھے شاعر اور خوش بیان خطیب بھی تھے۔ انھوں نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

ناول: مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانہ مبتلا (محصنات)، ابن الوقت، ایامٰی، رویائے صادقہ

تراجم: قانون انکم ٹیکس، انڈین پینل کوڈ، ضابطہ فوجداری، قانونِ شہادت، سمٰوٰت، مصائب غدر، تاریخ دربار تاجپوشی، ترجمہ قرآن مجید

درسی کتابیں: چند پند، منتخب الحکایات، نصاب خسرو، صرف صغیر، مبادی الحکمت، مایغنیک فی الصرف، رسم الخط

مذہبی کتابیں: غرائب القرآن، اتمام حجت، اجتہاد، ادعیۃ القرآن، الحقوق والفرائض، امہات الامہ

شاعری: نظیم بے نظیر (شعری مجموعہ)

لیکچر: لیکچروں کا مجموعہ جلد اول اور جلد دوم

خطوط: خطوط کا مجموعہ، موعظہ حسنہ

انعامات واعزازات: نذیر احمد کو ان کی قابلیت، محنت، علمی، ادبی اور سرکاری خدمات کے صلے میں متعدد انعامات اور اعزازات سے نوازا گیا۔ ذیل میں ان کو عطا کیے گئے کچھ انعامات واعزازات کی فہرست دی گئی ہے۔

1۔ انڈین پینل کوڈ (تعزیرات ہند) کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے پر انگریز حکومت نے طلائی گھڑی انعام میں دی جس پر ان کا نام کندہ تھا۔ اسی ترجمے کی بدولت انھیں ملازمت میں ترقی ملی اور وہ ڈپٹی کلکٹر بنائے گئے۔

2۔ کول مین کی کتاب Heavens کا "سمٰوات" کے نام سے اردو میں ترجمہ کرنے پر برٹش حکومت نے ایک ہزار روپے کا انعام عطا کیا۔

3۔ ناول "مراۃ العروس" پر برٹش حکومت نے ایک ہزار روپے بطور انعام عطا کیے اور قدردانی کے طور پر اس کتاب کی دو ہزار جلدیں بھی خرید لیں۔ اس کے علاوہ لیفٹنٹ گورنر سر ولیم میور نے اپنی طرف سے ایک کیمبرج کلاک عطا کی جس پر نذیر احمد کا نام کندہ تھا۔

4۔ کتاب "مبادی الحکمۃ" کی تصنیف پر 1870 میں پانچ سو روپے انعام میں حاصل کیے۔

5۔ ناول "بنات النعش" کی تصنیف پر 1872 میں پانچ سو روپے انعام میں ملے۔

6۔ ناول "توبۃ النصوح" پر 1874 میں ایک ہزار روپے کا انعام حاصل کیا۔

7۔ مجموعی علمی، ادبی اور سرکاری خدمات پر برٹش حکومت نے 22جون 1897 کو انھیں "شمس العلما" کا خطاب عطا کیا۔

8۔ ایڈنبرا یونیورسٹی (انگلینڈ) نے 1902 میں ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

9۔ پنجاب یونیورسٹی نے 1910 میں ڈی او ایل کی اعزازی ڈگری عطا کی۔

انتقال: عمر کے آخری پڑاؤ میں نذیر احمد پر فالج کا حملہ ہوا۔ حکیم اجمل خاں علاج کے لئے بلائے گئے لیکن ان کی دوا سے افاقہ نہ ہوا۔ اسی علالت میں 28 ڈسمبر 1912 کو نذیر احمد نے انتقال کیا۔ شاہ باقی باللہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

2.5 شخصیت

حلیہ اور لباس: نذیر احمد کا قد خاصا اونچا اور، جسم فربہ تھا لیکن موٹاپے کی وجہ سے قد ٹھگنا معلوم ہوتا تھا۔ رنگت سانولی تھی اور سر پر بال نہیں تھے البتہ سر کے اطراف بالوں کی پتلی سی جھالر تھی جسے وہ صاف کراتے رہتے تھے۔ ناک موٹی سی، دہانہ کشادہ اور ٹھوڑی مضبوط تھی۔ آنکھوں کی چمک ذہانت کا پتہ دیتی تھی۔ ڈاڑھی ایسی چھدری کے گال اور ٹھوڑی صاف نظر آتے تھے۔ آواز پاٹ دار اور بلند تھی۔ گفتگو کرتے تو محفل پر اور تقریر کرتے تو مجمعے پر چھا جاتے تھے۔

بھاری جسمانی ساخت ترکی ٹوپی اور کشمیری کام کے جبّے میں ان کی شخصیت بڑی بارعب اور پر وقار معلوم ہوتی تھی۔ کسی جلسے میں تقریر کرنے جاتے تو ایل۔ ایل۔ ڈی کا گاؤن زیب تن کرتے اور سر پر سفید عمامہ باندھتے۔ انھیں سفید لباس پسند تھا۔ گھر سے باہر جانا ہوتا تو عام طور پر سفید کرتا پاجامہ اور سفید شیروانی پہنتے تھے۔ جاڑوں میں کشمیرے کی اچکن پہن کر باہر نکلتے۔ سلیم شاہی جوتا پسند تھا۔ سرکاری جلسوں میں انگریزی جوتے پہنتے تھے لیکن انگریزی لباس سے انھیں نفرت تھی۔ گھر کے اندر سردی کے موسم میں عموماً سر پر روئی کا کنٹوپ ہوتا۔ جسم کو سردی سے بچانے کے لیے مرزئی پہنتے اور اوپر سے موٹی چادر لپیٹ لیتے۔ گرمیوں میں صرف تہبند باندھے رہتے لیکن اس کے پلو اڑسنے یا ان میں گرہ دینے کی بجائے اِدھر اُدھر ڈال لیتے مگر اٹھتے وقت بہت احتیاط کرتے۔

اخلاق وعادات: نذیر احمد گوناگوں اوصاف کے حامل تھے۔ وہ ایک مفلس ونادار گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن اپنی محنت، لگن، خود اعتمادی اور تعلیمی قابلیت کی بدولت ترقی کرتے ہوئے ڈپٹی کلکٹر اور ریاست حیدرآباد میں مجلس مال گزاری کے ممبر کے عہدے تک پہنچے۔ ذیل میں ان کے اخلاق وعادات کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔

ذوق علم: نذیر احمد کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اورنگ آبادی مسجد کے قیام کے زمانے میں انھیں کھانے، پینے، پہننے اور اوڑھنے کے سلسلے میں بے انتہا تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن حصول علم کا شوق ایسا تھا کہ انھیں یہ ساری تکالیف ہیچ معلوم ہوتیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مسجد کے مولوی صاحب کے گھر میں خادم کا کام کیا۔ سیروں مسالہ پیسا لیکن مکتب سے فرار ہونے کا خیال تک نہ لایا۔ دلی کالج کی طالب علمی کے زمانے میں کالج کے علاوہ دو عالموں سے پڑھنے کا بندوبست کیا۔ ملازمت کے دوران انگریزی سیکھی۔ حیدرآباد میں قیام کے دوران یہاں کی علاقائی زبان تلنگی سیکھی۔ ایک پنڈت سے انہوں نے سنسکرت بھی سیکھی۔ ان کی نظر میں علم کی کیا

اہمیت تھی اس کا اندازا ان خطوط سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے بشیر احمد کو لکھے۔

نذیر احمد کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔ غربت کے زمانے میں جب انہیں کوئی کتاب مل جاتی تو وہ مسجد کے سنگی فرش پر کہنیاں ٹکائے گھنٹوں اس کے مطالعے میں غرق رہتے۔ ان کا یہ شوق آخر وقت تک کم نہیں ہوا۔

جفاکشی: نذیر احمد نہایت محنتی اور جفاکش واقع ہوئے تھے۔ انہیں طالب علمی کے زمانے سے ہی مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کم عمری میں والد کا انتقال ہو گیا۔ کنبے کی ذمہ کا بوجھ ان کے سر آن پڑا۔ اس کے لیے انھیں سخت محنت کرنی پڑی۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ مطبعے کی کاپیاں درست کر کے تھوڑی سی کمائی کر لیتے تھے۔ دلّی کالج میں چھوٹی جماعتوں کے استاد چھٹی پر جاتے تو وہ ان کی جگہ تدریس کا کام انجام دیتے۔ اس کے عوض کچھ آمدنی ہو جاتی تھی۔ مالی پریشانیوں اور تنگدستی کے باوجود وہ اپنی تعلیم سے غافل نہ رہے۔ سخت محنت کر کے وہ تعلیم میں اپنے ہم جماعتوں سے آگے رہتے۔ ریاست حیدرآباد میں بھی انہوں نے ملازمت کے فرائض اس محنت، دیانتداری اور فرض شناسی سے انجام دیے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ریاست کے عہدیداروں میں نمایاں مقام کے حامل ہو گئے۔

بے باکی اور خودداری: نذیر احمد کی فطرت میں بے باکی اور خودداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ صاف اور سچی بات کہنے سے ڈرتے نہ تھے، خواہ سامنے کوئی ہو۔ دلی کالج میں داخلے کا امتحان لیتے ہوئے مفتی صدرالدین آزردہ نے انھیں حسب عادت "تُو" کہہ کر مخاطب کیا تو انہوں نے کہا "میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جو آپ مجھے اس طرح مخاطب کر رہے ہیں"؟

نذیر احمد کی شادی خوشحال اور متمول گھرانے میں ہوئی تھی۔ سسرال والے انھیں خانہ داماد بنانا چاہتے تھے لیکن نذیر احمد اتنے خوددار تھے کہ انہوں نے خانہ داماد بننا منظور نہ کیا۔ وہ کبھی سسرال والوں کے دست نگر نہ رہے بلکہ ہر ماہ اپنا اور اپنی اہلیہ کے کھانے کا خرچ سسرال میں دے دیا کرتے تھے۔

کانپور میں ملازمت کے دوران ایک مرتبہ ان کے افسر کپتان فلر سے ان کی سخت کلامی ہو گئی تو نذیر احمد کو لگا کہ کپتان فلر نے ان کی توہین کی ہے۔ انہوں نے فوراً ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور دہلی چلے آئے۔ حالانکہ یہ ملازمت انھیں بڑی دشواریوں سے حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے ملازمت چھوڑ دی لیکن اپنے وقار کا سودا نہیں کیا۔ سچائی، بے باکی، جرات اظہار، خودداری ان کے اوصاف حمیدہ تھے جو ان کی شخصیت کا حصہ تھے۔

پابندی وقت: نذیر احمد کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا۔ وہ اپنا وقت فضول کاموں میں ضائع نہیں کرتے تھے۔ وہ وقت کے بڑے پابند تھے۔ اپنے سارے کام وقت پر نپٹاتے اور کبھی آج کا کام کل پر نہ ڈالتے چاہے اس کے لیے انھیں کتنی ہی محنت اور طبیعت پر کتنی ہی سختی کرنی پڑے۔ ان کی ترقی اور کامرانی میں وقت کی قدر اور پابندی وقت کا بڑا دخل تھا۔ ان کے ہر کام کا وقت مقرر تھا اور وہ پوری طرح اس کی پابندی کرتے تھے۔ مثلاً ان کا معمول تھا کہ چاہے آندھی آجائے یا مینہ برسے وہ شام کے ٹھیک چھے بجے دہلی ٹاون ہال کی لائبریری ضرور جاتے تھے اور ایسی پابندی سے وہاں پہنچتے تھے کہ کوئی چاہے تو گھڑی ملا لے۔ اگر چپراسی سے کوئی پوچھتا کہ ابھی مولوی صاحب نہیں آئے تو وہ گھڑی دیکھ کر جواب دیتا "بس اب آنے ہی والے ہیں۔ چھ بجنے میں دو ہی منٹ تو باقی ہیں"۔

ظرافت: ذہانت اور فراست کے ساتھ ساتھ نذیر احمد کے مزاج میں شگفتگی اور ظرافت بھی بے پناہ تھی۔ وہ بڑے ہنسوڑ اور زندہ دل انسان تھے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے لکھا ہے کہ متانت انہیں چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ وہ ہر بات میں مذاق کا پہلو نکال لیتے تھے۔ اور ان کی گفتگو میں مزاح کی پھلجڑیاں چھوٹتی رہتی تھیں۔ جس زمانے میں نذیر احمد ریاست حیدرآباد میں صدر تعلقدار تھے ان کی پیشی میں ایک اہل کار نہایت مستعد اور کام کرنے میں تیز تھا لیکن بد قسمتی سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ سر سالار جنگ اول نے نذیر احمد سے پوچھا "کہیے آپ کے ڈویژن کا کام کس طرح چل رہا ہے"؟ نذیر احمد نے جواب دیا سارے صوبے کا کام صرف تین آنکھوں پر چلتا ہے۔ سالار جنگ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا "وہ کس طرح"؟ نذیر احمد نے جواب دیا "دو آنکھیں تو میری اور ایک میرے اہل کار پیشی کی"۔

طرز معاشرت: نذیر احمد کی طرز معاشرت نہایت سادہ اور تکلفات سے عاری تھی۔ ان کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ ان کا مزاج خالص مشرقی تھا۔ ان کے زمانے میں مغربی تہذیب ہندوستان میں اپنا رنگ جما رہی تھی۔ کوئی انوکھی بات نہ ہوتی اگر وہ بھی سر سید احمد خاں اور ان کے بعض رفقا کی طرح انگریزی طرز معاشرت اختیار کر لیتے، خاص طور پر اس لیے بھی کہ انہوں نے دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی۔ لیکن وہ مشرقی تہذیب اور مشرقی بود و باش پر فدا تھے اور ساری زندگی مشرقی وضع پر کاربند رہے۔ وہ انگریزی لباس اور رہن سہن دونوں کو تکلیف دہ سمجھتے تھے۔ حیدرآباد میں نواب محسن الملک نے ان کی کوٹھی کو ان کے علم و اطلاع کے بغیر انگریزی فرنیچر سے آراستہ کرا دیا لیکن جیسے ہی موقع ملا نذیر احمد نے اس سے پیچھا چھڑا لیا اور اپنی پرانی روش پر آ گئے۔

قومی خدمت: نذیر احمد کی شخصیت گوناگوں اوصاف اور خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ ان کے اندر تصنع اور بناوٹ نہیں تھی۔ اپنے عہدے کے کروفر اور غرور تکبر سے دور وہ ایک ملنسار انسان تھے۔ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ دینداری، دیانتداری اور ایمانداری ان کی سیرت کے نمایاں پہلو تھے۔ وہ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور ہر جگہ اپنی محنت اور ایمانداری کی دھاک بٹھا دی۔ ان کے اندر قومی خدمت اور ملّی ہمدردی کا جذبہ بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

وہ سر سید احمد خاں کی سماجی، اصلاحی اور تعلیمی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ کالج (علی گڑھ) کے قیام و استحکام میں وہ سر سید کے شانہ بشانہ شریک تھے۔ انہوں نے اس کالج کو خود بھی گراں قدر عطیات دیے اور کالج کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم میں سر سید کی بڑی مدد کی۔ ان کے لیکچر عطیات کی وصولی کا اہم ذریعہ تھے۔ نذیر احمد نے انجمن حمایت الاسلام کی بھی بڑی اعانت کی اور بار بار اس کو چندہ دیتے رہے۔ خاص اپنی جیب سے انھوں نے طلبا کو تعلیمی وظائف جاری کیے۔ ملّی ہمدردی کے جذبے کے تحت انھوں نے بعض یتیم بچوں کی بڑی محبت اور توجہ سے پرورش کی۔ انھیں تعلیم دلوائی اور اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ یہاں تک کہ اپنی سرپرستی میں ان کی شادی بیاہ بھی کیے۔ مختصر یہ کہ ان کی ذات سے اردو ادب کے علاوہ قوم اور ملت کو بڑا فیض پہنچا۔

2.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نذیر احمد کا شمار اردو کے صف اول کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ وہ موضع ریہڑ تحصیل نگینہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ان

کے والد مولوی سعادت علی رئیسوں کے بچوں کو پڑھا کر گزر بسر کرتے تھے۔

- نذیر احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر ان کے والد کے دوست نصر اللہ خاں خوارجوی سے انہوں نے عربی صرف ونحو، فلسفہ و منطق کا درس لیا۔
- جہاں تک مکتبی تعلیم کا تعلق ہے نذیر احمد کو ابتداً میں دہلی کے پنجابی کٹرے کی مسجد کے مدرسے میں داخل کیا گیا پھر انہیں دہلی کالج میں داخلہ مل گیا۔ یہاں انہوں نے بہترین اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ پنجاب کے علاقے کنجاہ کے ایک مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد وہ کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی خدمات پر مامور ہوئے۔ لیکن جلد ہی انہوں نے یہ نوکری چھوڑ دی۔
- غدر کے بعد الہٰ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ یہاں انھوں نے انگریزی سیکھی اور انکم ٹیکس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ پھر انڈین پینل کوڈ کے ترجمے میں شریک رہے۔ انڈین پینل کوڈ کے ترجمے کے صلے میں انہیں ڈپٹی کلکٹر نامزد کیا گیا۔
- مملکت آصفیہ کے وزیر اعظم سر سالار جنگ کی خواہش پر نذیر احمد حیدر آباد گئے جہاں انھیں اولاً ناظم بندوبست کا عہدہ دیا گیا۔ پھر وہ منصرم صدر تعلقدار مقرر ہوئے۔ حیدر آباد میں نذیر احمد اپنی محنت اور اعلیٰ کارکردگی کی بدولت ترقی کرتے ہوئے ریونیو بورڈ کے ممبر کے عہدے تک پہنچے۔ سر سالار جنگ کی وفات کے بعد نذیر احمد نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ریاست حیدر آباد کی جانب سے انہیں چھے سو روپیہ پنشن تاحیات ملتی رہے۔
- 28 ڈسمبر 1912 کو نذیر احمد کا انتقال ہوا۔
- نذیر احمد کو ان کی علمی، ادبی اور سرکاری خدمات کے صلے میں کئی انعامات و اعزازات حاصل ہوئے جن میں نقدر قوم کے علاوہ ایڈنبرا یونیورسٹی (انگلینڈ) کی ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری اور پنجاب یونیورسٹی کی ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری شامل ہے۔
- نذیر احمد نہایت محنتی، جفاکش، ایماندار اور فرض شناس انسان تھے۔ وہ مشرقی تہذیب اور مشرقی معاشرت کے دلدادہ تھے۔ مغربی تہذیب انھیں پسند نہیں تھی۔
- نذیر احمد کو بچپن ہی سے حصول علم کا بڑا شوق تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بڑی مشقتیں اٹھائیں۔ انہیں مطالعہ کا بھی بہت شوق تھا جو زندگی بھر ساتھ رہا۔
- نذیر احمد کی شخصیت بڑی خوبیوں کی حامل تھی۔ وہ نہایت خوددار، بے باک، وقت کے پابند، ذہین اور زندہ دل انسان تھے۔ انہوں نے قومی اور ملی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

2.7 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
بہرہ ور	:	حصّہ پانے والا۔ فائدہ اٹھانے والا

خانہ داماد	:	گھر داماد
خستہ حالی	:	بدحالی۔ کنگالی
مینابازار	:	فارسی میں پر تکلف منشیانہ نثر کی کتاب (مصنف نورالدین محمد ظہوری ترشیزی)
پنج رقعہ	:	فارسی انشاپردازی کی کتاب (مصف نورالدین ظہوری)
سہ نثر ظہوری	:	فارسی کے مشہور شاعر و نثر نگار نورالدین ظہوری کے تین شاہ کار نثری دیباچے
شرح ملا	:	عربی نحو کی کتاب کافیہ مصنفہ حاجب کی شرح (مصنف مولانا عبدالرحمٰن جامی)
تہذیب	:	علم منطق کی کتاب (مصنف علامہ سعد الدین تفتازانی)
میر قطبی	:	علم منطق کی کتاب (مصنف قطب الدین الرازی)
میبذی	:	فلسفے کی کتاب (مصنف میر حسین بن معین الدین المیبذی)
ریاضت	:	محنت، لگاتار مشق
امتداد	:	دراز ہونا، طول کھینچنا
معلقات	:	مراد سبع معلقات، عربی زبان کے سات شاہ کار قصائد جو خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے تھے۔
کفالت	:	خرچہ برداشت کرنا
خوراکی	:	کھانے کا خرچ
آسودہ حال	:	خوش حال
شورش	:	جھگڑا، فتنہ، فساد
تعزیرات	:	تعزیر کی جمع، جرائم کی سزائیں
علم ہئیت	:	ستاروں اور سیاروں کی گردش وغیرہ کا علم
محرک	:	اُکسانے والا، بڑھاوا دینے والا، ترغیب دینے والا
زمانہ شناس	:	زمانے کے معاملات کو سمجھنے والا
افاقہ	:	بیماری سے آرام پانا
مرزئی	:	صدری، نیم آستیں

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کہاں پیدا ہوئے؟

(a)پانی پت (b) بجنور (c)اعظم گڑھ (d)میرٹھ

2۔ نذیر احمد کے والد کا نام کیا تھا؟

(a)شفاعت علی (b)سخاوت علی (c)شجاعت علی (d)سعادت علی

3۔ "مولوی نذیر احمد دہلوی: احوال و آثار" کس کی تصنیف ہے؟

(a)ڈاکٹر محمد حسن (b)نورالحسن نقوی (c)افتخار احمد صدیقی (d)افتخار عالم بلگرامی

4۔ دہلی کالج میں نذیر احمد کا داخلہ امتحان کس نے لیا؟

(a)اسٹر رامچندر (b)مولانا صہبائی (c)مفتی صدالدین آزرہ (d)مولانا فضل حق خیر آبادی

5۔ دہلی کالج میں نذیر احمد کو ابتدا میں ماہانہ کتنا وظیفہ ملتا تھا؟

(a)چار روپے (b)چھے روپے (c)آٹھ روپے (d)بارہ روپے

6۔ نذیر احمد کو پہلی ملازمت کہاں ملی؟

(a)جالندھر (b)کنجاہ (c)کرنال (d)مالیر کوٹلہ

7۔ کانپور میں نذیر احمد کس عہدے پر کام کرتے تھے؟

(a)منشی (b)معلم (c)ڈپٹی انسپکٹر (d)ڈپٹی کلکٹر

8۔ نذیر احمد نے کس انگریز عہدہ دار کے داماد سے انگریزی سیکھی؟

(a)سر ولیم میور (b)کرنل ہالرائیڈ (c)لائٹنر (d)مسٹر ریڈ

9۔ کس کے ترجمے پر نذیر احمد کو ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر نامزد کیا گیا؟

(a)ہیونز (b)قانون شہادت (c)انڈین پینل کوڈ (d)انکم ٹیکس ایکٹ

10۔ ریاست حیدر آباد کے کس وزیر اعظم نے نذیر احمد کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی؟

(a)مہاراجا کشن پرشاد شاد (b)ارسطو جاہ (c)سالار جنگ اول (d)سالار جنگ دوم

2.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ نذیر احمد کے والد کا نام اور ان کا پیشہ کیا تھا؟

3۔ نذیر احمد نے نصر اللہ خوارجوی سے کون کون سے علوم کی کتابیں پڑھیں؟

4۔ نذیر احمد کو مولوی عبد الخالق کے گھر میں کیا کام کرنے پڑتے تھے؟

5۔ نذیر احمد نے انگریزی کس طرح سیکھی؟

2.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کی تعلیم کا حال لکھیے۔

2۔ ترجمے کے میدان میں نذیر احمد کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ نذیر احمد کی شخصیت کے اوصاف بیان کیجیے۔

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	حیات النذیر	افتخار عالم بلگرامی
2۔	مولوی نذیر احمد	افتخار احمد صدیقی
3۔	مولوی نذیر احمد کی کہانی، کچھ میری، کچھ ان کی زبانی	فرحت اللہ بیگ
4۔	نذیر احمد	نور الحسن نقوی
5۔	نذیر احمد، اردو اکادمی دہلی 2013	جمیل اختر

2.8.1 کے جوابات:

B-1	D-2	C-3	C-4	A-5
B-6	C-7	A-8	C-9	C-10

اکائی 3: ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین

3.2.1 سر سید احمد خان

3.2.2 مولانا الطاف حسین حالیؔ

3.2.3 شبلی نعمانی

3.2.4 مولانا محمد حسین آزاد

3.2.5 مولوی ذکاء اللہ

3.3 اکتسابی نتائج

3.4 کلیدی الفاظ

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

کسی بھی ادیب یا شاعر کے افکار و نظریات سے آگاہی کے لیے اس ادیب کے عہد اور سیاسی و سماجی پس منظر اور ادبی معاصرین اور ان کی تخلیقات کے بارے میں جاننا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جس عہد میں زندگی گزارتا ہے یا جن شخصیات کے ساتھ راہ ورسم رکھتا ہے۔ اس کے اثرات اس کی ذات اور تخلیقات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہر ادیب اور شاعر کے سوچنے اور سمجھنے کا طریقہ جدا ہوتا ہے جو اس کی تخلیقات میں نظر آتا ہے۔ نذیر احمد کے زمانے میں سر سید تحریک اپنے عروج پر تھی۔ سر سید اور ان کے رفقا اصلاحِ امت کا

بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔ نذیر احمد بھی سر سید کے مشن سے وابستہ ہو کر اخلاقی واصلاحی موضوعات پر لکھنا شروع کیا اور اس تحریک کو آگے بڑھانے میں مدد کی۔

اس اکائی میں ہم ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین کا جائزہ لیں گے جن میں سر سید احمد خان، مولانا الطاف حسین حالیؔ، مولانا محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، مولوی ذکاءاللہ کے نام سر فہرست ہیں۔ جن سے نذیر احمد کے علمی وادبی مراسم تھے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین کا مختصر تعارف پیش کر سکیں۔
- نذیر احمد کے ادبی معاصرین کے افکار و نظریات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- ان ادیبوں اور شعرانے ایک دوسرے کی تحریروں سے جو اثرات قبول کیے ہیں، ان کو بیان کر سکیں۔
- اس عہد کی تخلیقات و تحریکات کی روشنی میں نذیر احمد کے مقام و مرتبے کا تعین کر سکیں۔

3.2 ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین

1757ء سے 1857ء تک کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں سیاسی اتھل پتھل اور شکست وریخت کا رہا ہے۔ ہندوستانیوں کے سامنے ایک نئی تہذیب کا ہیولیٰ تھا جو ان کی صدیوں پر محیط تہذیب و ثقافت کو تار تار کر رہا تھا۔ عوامی ذہن تہذیبی تصادم اور کشمکش سے دوچار تھا۔ مغربی تہذیب بہت تیزی سے اپنا نفوذ کر رہی تھی۔ ایسے دور میں قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے دو تحریکیں وجود میں آئیں۔ ایک تحریک جس کی قیادت شاہ ولی اللہ کر رہے تھے جو اٹھارہویں صدی کے نصف میں وجود آئی۔ دوسری تحریک سر سید احمد خاں کی تحریک تھی جو انیسویں صدی کے ابتدا میں تشکیل پائی۔ جہاں شاہ ولی اللہ کی تحریک کا مقصد "تطہیر" تھا تو سر سید کی تحریک کا مقصد "تہذیب" تھا۔

سر سید احمد خان کی تحریک سے متاثر ہو کر قوم کی اصلاح کے لیے ان کے رفقا نے منظم طور پر کوشش کی جس کے اثرات نہ صرف عوام کے درمیان بلکہ اردو ادب کی تاریخ میں دوررس ثابت ہوئے۔ اس تحریک کے قابل رفقا نے شعوری طور پر ادب کو مسلمانوں کی اصلاح کے لیے استعمال کیا۔ جن میں اہم نام محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالیؔ، شبلی نعمانی، محسن الملک وغیرہ کے ہیں۔

3.2.1 سر سید احمد خان:

ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین میں ایک اہم نام سر سید احمد خان کا ہے۔ وہ 17 اکتوبر 1817 عیسوی میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد متقی تھا جو نہایت بااخلاق آزاد منش آدمی تھے۔ ابتدائی تعلیم والد کے زیر سایہ ہوئی۔ ابتدائی کتابیں کریما، خالق باری، گلستان، بوستان وغیرہ مولوی حمید الدین سے پڑھی۔ حصول تعلیم کے بعد ملازمت اختیار کی اور پہلے پہل 1841ء میں مین پوری میں منصف

کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ایک سال کے بعد 1842ء میں تبادلہ فتح پور سیکری ہو گیا۔ 1857ء میں مراد آباد میں صدر الصدور کے عہدے پہ فائز ہوئے، مختلف مقامات پر رہتے ہوئے آخر میں بنارس میں جج کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے اور بقیہ عمر علی گڑھ کالج کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی اور 27مارچ 1898ء میں دنیا سے رحلت کر گئے۔ برصغیر کی پس ماندہ قوم کو علم و عمل کی طرف دعوت دینے والوں میں ایک اہم نام سر سید احمد خان کا ہے۔ پلاسی کی جنگ سے لے کر 1857 کی ناکام جنگ آزادی تک مسلمانوں پر زوال اور شکست کا دور گزرا ہے۔ انگریزوں نے چونکہ حکومت انہیں سے چھینی تھی لہذا سب سے زیادہ عتاب کا شکار یہی قوم رہی۔ ایسے پر آشوب دور میں سر سید نے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کے بجائے زیور علم سے آراستہ کرنے کی تحریک چلائی۔ خاص طور پر 1857ء کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو ایک نئی فکر اور نئی سوچ سے ہم آہنگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی ایک نمایاں کارنامے انجام دیئے جن میں 1875ء میں علی گڑھ کالج کا قیام، غازی پور اور مراد آباد میں مدارس کا قائم کرنا، سائنٹفک سوسائٹی اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ شامل ہیں۔

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو نظر میں رکھتے ہوئے مدارس و کالج قائم کیے کیونکہ انہوں نے 1857 سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں کی تعلیمی حالات کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا جس سے اس قوم کو نکالنے کے لیے تعلیم بھی سخت ضرورت تھی۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو اس کے لیے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جدید سائنسی علوم اور انگریزی زبان میں مسلمان مہارت حاصل کریں۔ سر سید کا ماننا تھا کہ مسلمانوں کی جدید سائنسی علوم سے بے اعتنائی مستقبل میں ان کے لیے بے حد نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے لہذا انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بچوں کو نئے تعلیمی اداروں میں داخل کرائیں۔ اس کے علاوہ خود سر سید نے نئی طرز کے تعلیمی ادارے قائم کیے جس کی مثال مراد آباد کا مدرسہ ہے جو 1859 میں قائم ہوا۔ دوسرا اسکول جس میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی غازی پور کا مدرسہ ہے جو 1864 میں شروع ہوا۔ اس کے علاوہ انہوں نے 1863ء میں سائنٹفک سوسائٹی غازی پور کو قائم کیا جس کا مقصد ہندوستان میں مغربی علوم کو رائج کرنا تھا۔ اس سوسائٹی کے زیر نگرانی مختلف علمی مضامین پر تقریروں کا اہتمام ہوتا تھا۔ انگریزی سے اردو میں بہت سی مفید کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا۔ ایک اخبار بھی جاری کیا گیا جس کا ایک کالم انگریزی میں اور ایک اردو میں ہوتا تھا۔

علی گڑھ تحریک سر سید ہی کے تفکر و تدبر کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سر سید علی گڑھ تحریک کے پس منظر بھی تھے اور پیش منظر بھی۔ یہ اور بات ہے کہ جس طرح سر سید کی شخصیت اور تعمیری و علمی کارنامے متنازعہ فیہ ہیں اسی طرح علی گڑھ تحریک کے اغراض و مقاصد پر تمام اہل علم متفق نہیں ہیں۔ سید احتشام حسین اس تحریک کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس تحریک کے اساسی پہلوؤں میں نئے علوم کا حصول، مذہب کی علوم عقلی سے تفہیم، سماجی اصلاح اور زبان و ادب کی ترقی اور سربلندی شامل ہیں۔"

(علی گڑھ تحریک کے اساسی پہلو، احتشام حسین،، ص39)

اسی طرح ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے علی گڑھ تحریک کے بنیادی مقاصد میں سیاسی مفاہمت، جدید تعلیم اور مذہبی اصلاح کو شامل کیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب سر سید نے دیکھا کہ ہندوؤں اور انگریزوں میں سیاسی مفاہمت ہو گئی ہے اور مسلمانوں میں محرومی پائی جا رہی ہے تو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا احیا اور زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے مسلمانوں کی ترقی، بقا اور سربلندی کے لیے صحیح راستے کا تعین کرنا اس

تحریک کا اہم مقصد تھا۔ سر سید تحریک کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس تحریک کے بنیادی مقاصد کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔سیاسی مقاصد: مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی بقا،ان میں سیاسی شعور پیدا کرنا اور معاشرتی اقدار کے ارتقا کے لیے مفاہمت کی راہ ہموار کرنا شامل تھا۔ سر سید تحریک نے مسلمانوں کی سیاسی پسماندگی کو دور کرنے کی کوشش کی اور مدرسۃ العلوم کے ذریعہ مسلمانوں کی سیاسی بصیرت کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ تہذیب الاخلاق میں بھی ایسے مضامین شائع ہوئے جن سے ذہنوں میں انقلاب کی راہ ہموار ہو۔ وہ علوم جو یورپ کے کتب خانوں میں تھے تراجم کے ذریعہ مسلمانوں کے گھروں میں پھیلا دیئے۔ جن تک ان کی رسائی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ اس تحریک نے نہ صرف مسلمانوں کے اندر سیاسی شعور کو بیدار کیا بلکہ خود کو ایک جداگانہ قوم کا احساس دلا کر سیاسی کامیابیوں کی راہ کھولی۔

2۔مذہبی مقاصد: سر سید نے مذہب کو ختم کرنے کے بجائے اسے اور فعال بنانے کی کوشش کی۔ پرانے فرسودہ خیالات اور روایتی تصور کو عقل کی روشنی میں تفہیم کی۔ مذہب صرف حصول ثواب کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔ سر سید نے اسلام کی داخلی روح کو اجاگر کرنے کی کوشش کی اور یہ واضح کیا کہ انگریزی تعلیم اسلامی تعلیم کے بنیادی نظریات کے خلاف نہیں ہے۔ اس تحریک نے اسلام کو سمجھنے کے لیے فقہ اور فلسفہ کے ساتھ عقلی نقطہ نظر کو بھی سامنے رکھا۔ سر سید کے مذہبی افکار نے تنگ نظری، تعصب اور انتشار کو کم کیا۔ سر سید کی تفسیر قرآن اس سلسلے کی ایک اہم کاوش ہے۔

3۔ادبی مقاصد: سر سید تحریک کا تیسرا اور اہم مقصد زبان و ادب کا فروغ ہے۔ اس تحریک کے زیر اثر نہ صرف اردو ادب کا دامن وسیع ہوا بلکہ اس کے اسلوب و بیان بھی متاثر ہوئے۔ موضوعات میں بھی تنوع ہوا۔ اس تحریک نے نثر و نظم کے بہترین ادیب و شاعر پیدا کیے۔ رفقائے سر سید کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کے فروغ میں بھی سر سید احمد خان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر مضامین قلم بند کیے اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں رسالہ "اسباب بغاوت ہند، آثار الصنادید، تاریخ سرکشی بجنور، خطبات احمدیہ، سیرت فریدیہ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ علی گڑھ سے رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔

اردو مضمون نویسی کے فروغ میں بھی سر سید تحریک کا کردار اہم ہے۔ اس کی بدولت اردو ادب میں صنف مضمون نگاری کا تعارف ہوا جس کی بے شمار جہتیں ہیں۔ یہ تحریک بنیادی طور پر ایک سماجی اور اصلاحی تحریک تھی لیکن سر سید اور ان کے رفقا نے اپنے پیغام کو عوام میں پہنچانے کے لیے جس زبان کا استعمال کیا وہ اردو زبان تھی جس سے بالواسطہ اردو ادب کو بہت فائدہ پہنچا۔ ادب میں سادگی، مدعا نگاری اور مقصدیت کو فروغ حاصل ہوا۔ اگرچہ سر سید سے پہلے فورٹ ولیم کالج اور غالب کے خطوط نے اردو نثر کو سادگی عطا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا لیکن پھر بھی فارسی کا اثر ظاہر تھا۔ خیال کے مقابلے الفاظ کو اہمیت دی جاتی تھی۔ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ اردو زبان کو سادگی و سلاست سے مزین کیا۔ الفاظ کے بجائے خیال کو اہمیت دی گئی۔ اس طرح اردو ادب میں سادگی کا رواج عام ہوا۔ مضمون نگاری وانشائیہ کو فروغ اور جدید شاعری اور تنقید کا چرچا عام ہوا۔

3.2.2 مولانا الطاف حسین حالیؔ:

الطاف حسین حالی اردو ادب میں بحیثیت نقاد، سوانح نگار، شاعر، ادیب اور مکتوب نگار کے مشہور ہیں۔ انہوں نے اردو کے نثری

وشعری ادب میں گرانقدر اضافہ کیا۔ حالیؔ اردو کے پہلے نقاد ہیں جو عالمی سطح پر پہچانے گئے۔ بہترین سوانح نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک محقق کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی 1837 میں پانی پت کے محلہ انصار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش انصاری تھا جن کا سلسلہ نسب 26 واسطوں سے حضرت ابو ایوب انصاری تک پہنچتا ہے۔ حالی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن پانی پت میں حاصل کی۔ سید جعفر علی سے فارسی کی تعلیم حاصل کی اور انہی کی بدولت فارسی زبان وادب میں دلچسپی اور شاعری کا رجحان پیدا ہوا۔ عربی زبان کی تعلیم حاجی ابراہیم انصاری سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا جس کی وجہ سے پندرہ برس کی عمر میں فارسی وعربی پر عبور حاصل کر لیا تھا۔

نو برس کے سن میں حالی کے والد کا انتقال ہو گیا جس کا اثر حالی کی تعلیم پر یہ ہوا کہ باقاعدہ طور پر تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے اور بہن بھائیوں کے احترام میں شادی کے لیے راضی ہو گئے مگر تعلیم کا ذوق وجذبہ باقی رہا۔ حالیؔ ایک دن بیوی کی غیر موجودگی میں گھر کو چھوڑ کر دلی کی راہ لی اور وہاں کے مشہور مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لے لیا۔

دلی میں سکونت کے دوران شعر و سخن کی محفلوں میں شریک ہونے کی وجہ سے حالیؔ نے شعر گوئی بھی شروع کر دی تھی۔ اسی دوران وہ مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حالی نہ صرف غالب کے فارسی اور اردو کلام سے مستفید ہوتے بلکہ ان کے معنی و مطالب بھی براہ راست ان سے پوچھا کرتے جس سے ان کے فن میں مزید نکھار آیا۔

1855ء میں بڑے بھائی خواجہ امداد حسین کے اصرار پر پانی پت واپس لوٹ آئے۔1856ء میں حالی کو ضلع حصار میں کلکٹر کے دفتر میں نوکری مل گئی لیکن 1857 کی جنگ آزادی کے دوران پانی پت واپس آنا پڑا اور تقریباً چار سال کا عرصہ حدیث، تفسیر، منطق اور فلسفہ پڑھنے میں گزارا اور علمی استعداد کو بڑھاتے رہے۔ 1857ء کی افراتفری کے بعد جب ماحول پر سکون ہوا تو حالیؔ بھی فکر معاش کی تلاش میں نکلے۔ خوش قسمتی سے حالی کی ملاقات نواب مصطفٰی خان تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے ہوئی۔ نواب صاحب شعر و سخن کا بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ فارسی میں حسرتؔ اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ نواب صاحب کی مصاحبت میں حالی کے سات آٹھ سال گزرے۔ اس عرصہ میں حالی ان کے بچوں کے اتالیق بھی مقرر ہوئے۔ شیفتہ کے انتقال کے بعد حالی لاہور چلے گئے اور پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازمت اختیار کر لی۔ مختلف شہروں میں ملازمت کرنے کے بعد حالی اپنے آبائی وطن پانی پت لوٹ آئے اور مستقل طور پر تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہوئے۔ 1914 کے آخر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور 31 دسمبر 1914 کو رحلت کی اور دوسرے دن غوث علی شاہ قلندر کے صحن کے حوض کے کنارے دفن ہوئے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین میں سرسید کے بعد ایک اہم نام مولانا الطاف حسین حالی کا ہے۔ نذیر احمد کے اصلاحی طرز کو اپنانے والوں میں حالی بھی شامل ہیں۔ جس کی مثال ان کی تصنیف "مجالس النسا" ہے جو 1874 میں لکھی گئی۔ اس قصے کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ پنجاب اور یوپی کے اسکولوں کے نصاب میں شامل کیا گیا۔ اس کتاب کے عنوان "مجالس النساء" سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع اصلاح نسواں تھا۔ یہ وہی مقصد ہے جو نذیر احمد کے پیش نظر تھا لیکن مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حالیؔ کے یہاں نذیر احمد سے زیادہ گہرائی پائی جاتی ہے۔ اس میں عورتوں کو امور خانہ داری، اصلاح معاشرت، حسن اخلاق، تحصیل علم، حسن انتظام، بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت،

آپسی تعلقات، بچوں کو بری باتوں اور خراب عادتوں سے باز رکھنے کی تدابیر، لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینے پرونے، لکھنے پڑھنے، مستورات میں رائج بری رسومات وغیرہ کا ذکر خاص نسوانی محاورات اور دہلی کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی علی گڑھ تحریک کے ایک اہم اور فعال رکن بھی تھے۔ وہ اس تحریک کے مقاصد سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے جس کا اثر ان کی تصنیفات و تالیفات میں صاف نظر آتا ہے۔ حالی نے شعر و ادب، تنقید، مکتوب نگاری اور سوانح نگاری میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ انجمن پنجاب میں بے شمار موضوعاتی نظمیں سنائیں۔ حالی نے اپنی زندگی میں کئی ادبی و سماجی تحریکوں کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ جب وہ پیدا ہوئے تو مغلیہ سلطنت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ بہادر شاہ ظفر دلی کے قلعہ تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ ہندوستانی تہذیب زوال آمادہ تھی۔ پھر 1857ء کا انقلاب رونما ہوتا ہے۔ حالیؔ مسلمانوں کے حالات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ زوال کا سبب تلاش کرتے ہیں اور اس کے حل کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی مشہور نظم "مدوجزر اسلام" جو سرسید کی فرمائش پر مسدس کی شکل میں 1879 میں لکھی۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ حالی نے اس نظم میں جہاں مسلمانوں کے شاندار و تابناک ماضی کو بیان کیا ہے وہیں عبرت ناک حال سے آگاہ بھی کیا ہے اور ترقی کے لیے راہیں بھی تجویز کی ہیں۔

حالیؔ جدید سوانح نگاری کے موجد بھی کہے جاتے ہیں ان کی تین یادگار سوانح نگاریاں "حیات سعدی"، "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" بہت مشہور ہوئیں۔ حیات سعدی میں شیخ سعدی شیرازی کے زندگی کے واقعات اور علمی کارناموں کا بیان ہے۔ یہ تحقیقی نوعیت کی کتاب ہے جس میں انہوں نے نظم ونثر پر تنقیدی حوالے سے لکھا ہے۔ حالیؔ نے اس کتاب کو 1884ء میں تصنیف کیا اور پہلی مرتبہ 1886ء میں شائع ہوئی۔

حالیؔ کی دوسری سوانحی تصنیف "یادگار غالب" ہے۔ اس میں اردو وفارسی کے مشہور شاعر و نثر نگار مرزا اسد اللہ خاں غالب کے حالات زندگی، ادبی کارنامے اور فارسی کلام پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ حالی کی یہ تصنیف مرزا غالب پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔

سرسید احمد خاں کے علمی وملیؔ خدمات کو اجاگر کرنے کی غرض سے حالیؔ نے "حیات جاوید" نام سے سرسید کی سوانح عمری لکھی مگر اس میں صرف حالات زندگی کا بیان نہیں ہے بلکہ سرسید کے افکار و نظریات، علی گڑھ تحریک کے اغراض ومقاصد، سرسید کی قوم وملت کے تئیں ہمدردی اور تعلیمی سرگرمیوں کا احوال بھی قلم بند کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1901ء میں نامی پریس کانپور سے شائع ہوئی۔

"مقدمہ شعر وشاعری" ان کے دیوان کا مقدمہ ہے جو 1893 میں علیٰحدہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس مقدمے میں حالی نے شاعری کے حوالے سے اپنے تنقیدی خیالات پیش کیے ہیں۔ اس کتاب کو اردو تنقید کی پہلی باضابطہ کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حالی نے مختلف کتابیں اور رسالے یادگار کے طور پر چھوڑے ہیں جن میں رسالہ "مولود شریف، تریاق مسموم، مبادی علم جیالوجی، شواہد الالہام، سوانح حکیم ناصر خسرو، تذکرہ رحمانیہ، مضامین حالی، مکتوبات حالی، مقالات حالی، کلیات نثر حالی، جلد اول و دوم، کلیات نظم حالی جلد اول و دوم اور دیوان حالی قابل ذکر ہیں۔

3.2.3 شبلی نعمانی:

نذیر احمد کے ادبی معاصرین میں جہاں سرسید جیسے عظیم رہنما اور حالیؔ جیسی شخصیت کے حامل افراد رہے ہیں وہی علم وادب کی نامور شخصیت، مورخ و سوانح نگار، صحافی وادیب، سیرت نگار، ماہر علم کلام، سفرنامہ نگار علامہ شبلی نعمانی بھی ان کے معاصرین میں ہیں بلکہ سرسید

تحریک میں شانہ بشانہ بھی رہے ہیں۔

شبلی نعمانی مئی 1857ء میں ضلع اعظم گڑھ کے موضع بندول پرگنہ سگڑی میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی آزادی کے لیے 1857ء کی جنگ جاری تھی۔ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ پیشے کے اعتبار سے وکالت سے منسلک تھے۔ ان کے والد نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے سلسلے میں کسی قسم کی پریشانی نہیں آنی دی۔ شبلی نے اعلیٰ تعلیم کے ساتھ وکالت کا امتحان بھی پاس کیا اور وکالت کرنے لگے لیکن آپ کا دل وکالت میں نہ لگا لہٰذا سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ساتھ ہی درس و تدریس سے بھی رشتہ قائم رکھا۔ 1881ء میں اپنے بھائی سے ملنے علی گڑھ گئے جہاں ان کی ملاقات سر سید احمد خان سے ہوئی۔ سر سید شبلی کی علمی صلاحیت سے متاثر ہوئے اور انہیں علی گڑھ میں پروفیسر مقرر کیا۔ علی گڑھ میں رہتے ہوئے شبلی نعمانی کو سر سید اور وہاں کے کتب خانے سے استفادہ کا موقع ملا۔ سر سید کی وفات کے بعد علی گڑھ کو چھوڑ دیا اور اپنے وطن واپس آ گئے۔ جہاں انہوں نے شبلی نیشنل اسکول قائم کیا جو بعد میں ڈگری کالج بنا۔ 1914ء میں انتقال ہوا اور اعظم گڑھ میں سپرد لحد کیے گئے۔

شبلی نعمانی نے مختلف موضوعات پر کتابیں، رسائل، مقالات اور مضامین تحریر کیے۔ انہوں نے اسلام کی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے سیرت و سوانح نگاری کی طرف دھیان دیا۔ انہوں نے اپنی ادبی تخلیقات کا آغاز شاعری سے کیا۔ نثر میں ان کی پہلی تصنیف "اسکات المعتدی علی انصات المقتدی" تھی۔ جو عربی زبان میں لکھی ہے۔ اس رسالے کو لکھنے کا سبب مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے نماز اور مقتدی کے متعلق متضاد قسم کے خیالات کا تدارک تھا۔ اسی زمانے میں شبلی کا ایک رسالہ "قرات الفاتحہ خلف الامام" شائع ہوا تھا۔ یہ دونوں رسالے فقہ حنفی کی تائید میں لکھے گئے تھے۔ جبکہ ان کی اردو زبان میں باقاعدہ نثری تصنیف ان کے مضمون "مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم" کو مانا جاتا ہے جس میں شبلی نے مسلمانوں کی تابناک ماضی کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔ اس مضمون کے حوالے سے سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہی:

> "مولانا نے 1887ء میں "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں قیصر باغ کی شاہی بارہ دری میں پڑھا گیا، اس مضمون کی بڑی اہمیت ہوئی، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے علوم و فنون کس طرح حاصل کیے اور پھر دنیا کی تمام قوموں کو ان علوم کی تعلیم کیوں کر دی۔"
>
> (مولانا شبلی نعمانی پر ایک نظر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ص 11)

شبلی نعمانی عربی نثر کے ساتھ عربی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ 1881ء میں جب اپنے والد کے ہمراہ علی گڑھ کا سفر کیا تو عربی زبان میں سر سید کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھ کر ساتھ لے گئے۔ سر سید نے اس قصیدے کو بہت پسند کیا اور علی گڑھ میگزین میں شائع بھی کرایا۔ شبلی کا یہ قصیدہ ان کی شاعرانہ قابلیت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ قصیدہ شبلی کی پہلی شعری تخلیق مانا جاتا ہے۔

شبلی نعمانی نے پہلی سوانح عمری "المامون" نام سے لکھی جو 1887ء میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں خلیفہ مامون رشید کی شخصیت کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد 1891ء میں امام ابو حنیفہ کی حیات و خدمات پر مشتمل سوانح عمری "سیرۃ النعمان" شائع ہوئی۔ جس میں شبلی نعمانی

نے امام ابو حنیفہ سے سچی محبت وعقیدت کا ثبوت دیا ہے چونکہ شبلی خود حنفی مذہب کے ماننے والے تھے لہٰذا انہوں نے اس کتاب میں خصوصی دلچسپی سے ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا ہے۔ اردو میں اس سے پہلے امام ابو حنیفہ کی سیرت وسوانح کے حوالے اس قدر جامع اور مکمل کتاب نہیں ملتی۔

1893ء میں شبلی کا شعری مجموعہ "مجموعہ نظم شبلی" کے نام سے شائع ہوا۔ شبلی کے اس مجموعے میں فارسی قصائد، مرثیے، مثنویاں، قطعات، ترکیب بند اور دیگر متفرق کلام شامل ہیں۔ شبلی اردو کے بجائے فارسی کے باکمال اور مقبول شاعر تھے۔ شبلی 1892ء میں ترکی، شام، فلسطین اور مصر کے سفر پر گئے۔ ان کے اس دورے کا مقصد ان ممالک کے نظام تعلیم اور کتب خانوں کا جائزہ لینا تھا۔ شبلی ان ممالک کے نظام تعلیم سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ سفر بہت کامیاب سفر رہا اور واپسی پر اس سفر کی روداد "سفر نامہ روم ومصر وشام" کے عنوان سے 1894ء میں شائع کرایا۔ اسی سال ان کی دو اور تصانیف "تماشائے عبرت" اور "اسلامی حکومتیں اور شفاخانے" شائع ہوئیں۔ دار العلوم علی گڑھ سے شائع ہونے والی شبلی کی آخری تصنیف "رسائل شبلی" تھی جس میں "اسلامی شفاخانے، اسلامی کتب خانے، حقوق الذمیئن، الجزیہ، مکینکس اور مسلمان، خطبہ ندوۃ العلما اجلاس دوم، النظر، کتب خانہ اسکندریہ، تراجم، اسلامی مدارس اور قدیم جیسے مضامین شامل تھے۔ اس کے بعد شبلی نے خود کو علی گڑھ سے علیحدہ کر لیا۔

شبلی کی ایک اور اہم تصنیف "شعر العجم" ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی جلد 1908ء میں اور آخری جلد شبلی کی وفات کے چار سال بعد 1918ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب در اصل فارسی شاعری کی تاریخ وتنقید ہے جس کو شبلی نے نہایت محققانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔

علی گڑھ سے علیحدگی کے بعد شبلی نعمانی نے خود کو تصنیف وتالیف کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سیرت النبی دو جلدیں، الغزالی، سوانح مولانا روم، موازنہ انیس ودبیر، امیر خسرو وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ مکاتیب مقالات اور کلیات بھی شامل ہیں۔

3.2.4 مولانا محمد حسین آزاد:

مولانا محمد حسین آزاد 10 جون 1830ء کو دہلی کے ایک معزز اور صاحب علم گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے دادا مولانا محمد اکبر اپنے وقت کے جید عالم اور مجتہد تھے۔ جنہوں نے دینی تعلیم کے لیے اپنے گھر میں مدرسہ قائم کیا ہوا تھا مولانا محمد حسین کے والد مولوی محمد باقر نے بھی ابتدائی تعلیم اسی مدرسے سے حاصل کی۔ مولوی محمد باقر مشہور صحافی ادیب اور مجاہد آزادی تھے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ نے ابتدائی تعلیم کی شروعات گھر سے کی پھر دہلی کالج میں داخل کیے گئے۔ ان کے ہم عصروں میں مولوی نذیر احمد مولوی ذکا اللہ اور پیارے لال آشوبؔ بھی اسی کالج میں پڑھتے تھے۔ دہلی کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آزاد اخبار اور پریس کے کاموں میں اپنے والد کا ساتھ دینے لگے۔ جنہوں نے 1836 کے آس پاس پریس قائم کیا تھا جس کا پہلے نام مطبع جعفریہ تھا لیکن بعد میں اردو اخبار پریس رکھا گیا۔ آزاد کے زور قلم اور اسلوب تحریر کی وجہ سے یہ اخبار عوام میں بے حد مقبول ہوا۔

یہ اخبار 1857ء تک نکلتا رہا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسیوں پر تنقید کی وجہ سے اسے بند کر دیا گیا۔ اس کی تمام کاپیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ ان کے والد کو بھی انگریزی حکومت سے بغاوت کے جرم میں شہید کر دیا گیا۔ آزاد نے اس زمانے میں بہت مصیبتیں جھیلی اور کسی طرح اپنی جان بچا کر دہلی سے نکلے۔

مولانا محمد حسین آزاد مورخ، محقق، نقاد ہونے کے ساتھ ہی جدید شاعری کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔ آزاد کو شعر و ادب کا شوق دہلی کالج کے زمانے سے ہی تھا لہذا شاعری میں انہوں نے اپنے والد کے عزیز دوست اور اس دور کے مشہور شاعر شیخ محمد ابراہیم ذوق سے اصلاح لی۔ ان کو اپنے استاد ذوق سے بے حد عقیدت تھی وہ ان کا دیوان مرتب کرنا چاہتے تھے مگر 1857 کے ہنگامے نے مہلت نہیں دی لیکن لاہور میں جب سکون نصیب ہوا تو انہوں نے ذوق کا دیوان مرتب کر کے 1890ء میں شائع کیا۔ جس کی روداد آغا محمد باقر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "مولانا روتے دھوتے، صبر کی سل سینے پر رکھے پریشان حال دہلی سے روانہ ہو گئے۔ سر پر استاد کے کلام کا پلندہ تھا۔ یہی بھرے گھر میں سے اٹھایا تھا کہ اگر ان کا کلام برباد ہو گیا تو ان کا نام بھی باقی نہ رہے گا۔ دریا کے پل کے قریب پہنچے تھے کہ ایک گورے نے للکارا، او بڈھا ادھر آو۔ پلندہ کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا اس میں کیا ہے؟ مولانا ابھی جواب بھی نہ دے پائے تھے کہ اس نے سنگین سے پلندہ اتار پھینکا۔ کاغذات تتر بتر ہو گئے۔ اس نے دیکھ کر کہا جاؤ بھاگ جاؤ۔ مولانا نے جلدی جلدی منتشر کاغذات اکٹھے کیے اور پلندہ سر پر رکھ دریا پار اتر گئے۔"
>
> (محمد باقر آغا، محمد حسین آزاد، مشمولہ نقوش، شخصیات نمبر، صفحہ 11)

مولانا محمد حسین آزاد لاہور آنے کے بعد مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے اور 1869 میں گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اس کے علاوہ جب انجمن پنجاب قائم کی گئی تو آزاد اس کے سکریٹری بنائے گئے۔

نذیر احمد کے ہم عصروں میں آزادؔ وہ ممتاز اور منفرد نثر نگار ہیں جنہوں نے قدیم وجدید کے امتزاج سے ایک ایسا دلکش اسلوب اختیار کیا جو انہی سے مخصوص ہے۔ نہ وہ سرسید کی عام نثر کو موزوں سمجھتے تھے اور نہ قدیم مقفیٰ نثر کے حامی تھے۔ ان کے اسلوب کی خصوصیات مہدی افادی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "جس طرح تاریخ میں فلسفہ کا رنگ سب سے پہلے شبلیؔ نے چمکایا۔ اردو کو انشاپردازی کے درجہ پر جس نے پہنچایا وہ آزادؔ اور صرف آزاد ہیں۔ سرسید سے معقولات الگ کر لیجیے تو وہ کچھ نہیں رہتے۔ نذیر احمد بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے۔ شبلی سے تاریخ لے لیجیے تو قریب قریب کورے رہ جائیں گے۔ حالی بھی جہاں تک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں لیکن آقائے اردو یعنی پروفیسر آزادؔ صرف انشاپرداز ہیں۔ ان کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔"
>
> (افادات مہدی، مہدی افادی، ص 213)

آزاد کی مشہور کتاب "نیرنگ خیال" تمثیل نگاری کے حوالے سے پہلی نثری کتاب سمجھی جاتی ہے اگرچہ اس سے پہلے رجب علی بیگ سرورؔ کی کتاب "گلزار سرور" میں تمثیل کے نقوش پائے جاتے ہیں مگر جب بھی اردو میں تمثیل نگاری کا ذکر آتا ہے تو ذہن محمد حسین آزادؔ کی کتاب "نیرنگ خیال" کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ نیرنگ خیال کے سبھی مضامین انگریزی مضمون نگاروں جانسن اور ایڈیسن کے مضامین کا آزاد ترجمہ ہیں۔

مولانا آزادؔ کی اہم کتابوں میں سے ایک "آب حیات" ہے جسے اردو شعرا کی تاریخ تو نہیں کہہ سکتے مگر اردو شعرا کا اہم ترین تذکرہ ضرور کہا جاسکتا ہے۔ جس میں مصنف نے اردو شاعری کی تاریخ کا مطالعہ کرکے اسے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ہر دور کی زبان اور شاعری کی خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ ہی اس دور کے شعرا کے حالات زندگی کو تفصیل اور اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ ان کی چلتی پھرتی تصویر ہماری نگاہوں میں آجاتی ہے۔ اور اس ماحول سے بھی آشنائی ہوجاتی ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ہر شاعر کے کلام کے تفصیلی بیان کی گنجائش نہ ہونے کے باوجود آزادؔ نے اس کتاب میں جس خوش اسلوبی اور جامعیت سے ان کا مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہ محققانہ اور عمیق نگاہی کا ثبوت ہے۔ ان تمام خصوصیات کے باوجود "آب حیات" میں بعض خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ آزادؔ نے اسے لکھتے وقت بعض جگہ حد سے زیادہ جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ جب وہ اپنے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کا ذکر کرتے ہیں تو بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ انیس و دبیر کا ذکر کرتے ہیں تو دبیر کو کمتر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولانا محمد حسین آزاد نے اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں "سخن دان فارس، دربار اکبری، دیوان ذوق، قصص ہند، اردو کا قاعدہ اور قواعد اور نگارستان بہت اہم ہیں۔ مولانا کی علمی و ادبی خدمات کو دیکھتے ہوئے 1887ء میں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا۔ اردو ادب کا یہ عظیم محقق، شاعر و ادیب ایک لمبی بیماری کے بعد 1910 میں انتقال کر گیا اور لاہور کی گامے شاہ کی کربلا میں دفن کیے گئے۔

3.2.5 مولوی ذکاءاللہ:

خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکا اللہ 20 اپریل 1832 کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ ثنا اللہ تھا۔ جن کا شمار اپنے زمانے کے اسلامی علوم کے جاننے والوں میں ہوتا تھا۔ چونکہ ذکا اللہ کے والد خود بھی عالم تھے لہذا اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی جس کی وجہ سے مولوی ذکا اللہ کو بھی مختلف علوم کو سیکھنے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

مولوی ذکا اللہ جب 12 برس کے تھے تو ان کا داخلہ دہلی کالج میں کرایا گیا۔ ان کے ہم عصروں میں مولانا محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد دہلی کالج کے ساتھیوں میں تھے۔ دہلی کالج میں انہوں نے عربی و فارسی امام بخش صہبائی اور ریاضی ماسٹر رام چندر سے پڑھی۔ مولوی ذکا اللہ نے ریاضیات میں خاص مہارت حاصل کرلی۔ ان کا شمار ماسٹر رام چندر کے ممتاز اور ہونہار شاگردوں میں ہونے لگا۔ جب ان کی عمر محض 17 برس کی تھی تو اردو زبان میں ریاضی پر پہلی کتاب تصنیف کی جس سے علمی حلقوں میں ایک حیرانی چھاگئی۔ مولوی نذیر احمد دہلی کالج میں مولوی ذکا اللہ کے ہم جماعت تھے وہ اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

"مولوی ذکا اللہ کے ساتھ میرا ربط وضبط بچپن سے شروع ہوا، جب کہ وہ دہلی کالج (یادش بخیر) کی فارسی جماعت میں تھے اور میں عربی میں۔ بااین ہمہ ریاضیات میں بھی ہم سبق تھے۔ ماسٹر رام چندر مرحوم کے شاگردوں میں مولوی ذکا اللہ کی طبیعت کو ریاضیات کے ساتھ خداداد مناسبت تھی اور وہ جماعت میں سب سے پیش پیش رہتے تھے اور وہ اسی وجہ سے ماسٹر صاحب کے (جو اپنے دور کے سب سے بڑے ریاضی دان تھے) منظور نظر بھی تھے۔"

(مقدمہ تذکرہ ذکا اللہ دہلوی، نذیر احمد، صفحہ 5)

مولوی ذکا اللہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی کالج میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد سات سال تک آگرہ کالج میں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔ وہ ریاضی کے ساتھ ساتھ اردو وفارسی پر کافی عبور رکھتے تھے۔ 1855 میں ڈپٹی انسپکٹر آف مدارس بنائے گئے اور تقریباً 11 سال تک اس عہدے سے منسلک رہے۔ آخر میں میور سینٹرل کالج الہ اباد سے عربی وفارسی کے استاد کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے اور بقیہ عمر تصنیف وتالیف میں گزار دی۔ ان کا انتقال دسمبر 1910 میں دہلی میں ہوا۔

مولوی ذکا اللہ کو مختلف علوم پر دسترس حاصل تھی۔ ان کی تصانیف کی تعداد لگ بھگ 150 کے قریب ہیں۔ جن میں 10 جلدوں پر مشتمل "تاریخ ہندوستان" بہت مشہور ہوئی۔ جس کے طویل مقدمہ کے مطالعہ سے ان کی مورخانہ صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ "آئینہ قیصری" (ملکہ وکٹوریہ کی لائف) اور فرہنگ فرنگ (اہل یورپ کی شائستگی اور تہذیب کا حال) تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ لیکن ان کا پسندیدہ موضوع ریاضی تھا۔ ریاضیات پر ان کی جملہ 81 کتابیں پائی جاتی ہیں۔ بعض تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں تاریخ اسلام لکھ رہے تھے کہ دنیا سے رحلت کر گئے لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر اینڈ ریوز کا بیان ہے کہ:

"منشی ذکا اللہ کی وفات سے تقریبا تین ہفتے پیشتر ان کے ایک اور دوست خواجہ الطاف حسین حالی جو دہلی کی نشاۃ ثانیہ میں اردو شعرا کی جماعت میں سب سے آگے تھے ان سے ملنے کے لیے پانی پت سے دہلی آئے۔ ذکا اللہ سے بغل گیر ہوئے اور نہایت شفقت کا برتاؤ کیا۔ دونوں بوڑھے دوست بہت دیر تک ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرتے رہے اور اسی اثنا میں انہوں نے حالیؔ کے سامنے مولوی سمیع اللہ خاں کا تذکرہ پیش کیا جو ان دونوں کے بہت گہرے دوست تھے۔ حالیؔ سے مخاطب ہو کر انہوں نے فرمایا" یہ تذکرہ میری آخری تصنیف ہے۔ اس نے مجھے مار ڈالا ہے۔۔۔"

(تذکرہ مولوی ذکا اللہ دہلوی، اینڈریوز، سی، ایف، مترجم ضیا الدین برنی، ص 102،101)

تصنیف وتالیف کے علاوہ مولوی ذکا اللہ تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے۔ سرسید تحریک کے فعال رکن کی حیثیت سے اس کے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہر ممکنہ کوشش کی۔ انجمن ترقی اردو کے نائب صدر کی ذمہ داری بھی نبھائی۔ تہذیب الاخلاق میں برابر مضامین لکھتے رہے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے خان بہادر کا خطاب دیا۔

3.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی معاصرین میں اہم نام سر سید احمد خاں کا ہے۔ سر سید کی ولادت 17 اکتوبر 1817ء میں دہلی میں ہوئی۔ ان کے والد سید محمد متقی اپنے زمانے کے نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھے۔ سر سید کی تربیت میں آپ کے والد کا اہم کردار رہا ہے۔
- سر سید نے ابتدائی کتابیں کریما، خالق باری، گلستان، بستان وغیرہ مولوی حمید الدین سے پڑھی۔
- تعلیم مکمل کرنے کے بعد سر سید کا 1841ء میں مین پوری میں منصف کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ایک سال کے بعد 1842ء میں تبادلہ فتح پور سیکری ہو گیا۔
- آخر میں بنارس میں جج کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے اور بقیہ عمر علی گڑھ کالج کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی اور 27 مارچ 1898ء میں دنیا سے رحلت کر گئے۔
- 1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو ایک نئی فکر اور نئی سوچ سے ہم آہنگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی ایک نمایاں کارنامے انجام دیئے جن میں 1875ء میں علی گڑھ کالج کا قیام، غازی پور اور مراد آباد میں مدارس کا بنانا، سائنٹفک سوسائٹی اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ شامل ہیں۔
- علی گڑھ تحریک کے روح رواں سر سید احمد خاں تھے۔ وہ علی گڑھ تحریک کے پس منظر بھی تھے اور پیش منظر بھی۔
- سر سید نے اس تحریک کو تین مقاصد میں تقسیم کیا۔ (1) سیاسی مقاصد (2) مذہبی مقاصد (3) ادبی مقاصد
- زبان و ادب کے فروغ میں بھی سر سید احمد خان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر مضامین اور کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصانیف میں رسالہ "اسباب بغاوت ہند، آثار الصنادید، تاریخ سرکشی بجنور، خطبات احمدیہ، سیرت فریدیہ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ علی گڑھ سے رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔
- نذیر احمد کے زمانے کی دوسری مشہور شخصیت اردو کے ایک عہد ساز ادیب اور شاعر مولانا الطاف حسین حالیؔ ہیں۔ حالیؔ ہی کی وجہ سے اردو میں جدید سوانح نگاری کا آغاز ہوا۔
- خواجہ الطاف حسین حالیؔ 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں ہی حاصل کی۔ تعلیم کا شوق دلی لے آیا۔ اس زمانے میں دلی ہندوستان کا پائے تخت ہی نہیں تھا بلکہ علم و فضل کا مرکز بھی تھا۔ یہاں حالیؔ کے شعر و شعور کی تربیت بھی ہوئی اور ان کے لیے علم و فضل کا حصول آسان ہوا۔ یہیں ان کو غالب و شیفتہ کی صحبت حاصل ہوئی۔
- حالیؔ اپنے کلام پر غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ سالہا سال تک انہیں غالب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان صحبتوں کی نشانی "یادگار غالب" ہے۔
- حالیؔ علی گڑھ تحریک کے ایک اہم رکن تھے۔ سر سید کے مشورہ سے انہوں اپنی شعری صلاحیتوں کو قوم کی ترقی اور بھلائی کے لیے

وقف کر دیا۔ اسی زمانے میں اپنی مشہور و معروف نظم ''مسدس مد و جذر اسلام'' لکھی۔

- شیفتہ کے انتقال کے بعد وہ پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہوئے اور یہاں ''انجمن پنجاب'' میں نظم نگاری کو فروغ دینے میں اپنا حصہ ادا کیا۔ اس کے بعد وہ دلی کے اینگلو عربک کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔
- سر سید کے توسط سے ریاست حیدر آباد سے تعلق پیدا ہوا اور انہیں یہاں سے وظیفہ مقرر ہوا۔ جس کی وجہ سے انہیں نوکری سے نجات ملی اور وہ اپنا پورا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرنے لگے۔ اس زمانے کی یادگار ان کی اہم ترین کتابیں حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید اور مقدمہ شعر و شاعری ہیں۔ وہ آخری زمانے تک علمی اور ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ 1914ء میں ان کا انتقال ہوا۔
- شبلی نعمانی کا شمار اردو ادب کے بہترین سوانح نگار، محقق، مورخ، صحافی اور شاعر میں ہوتا ہے۔ ان کا شمار بھی سر سید کے خاص رفقا میں میں ہوتا ہے۔ علی گڑھ تحریک کو پروان چڑھانے میں شبلی کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔
- علامہ شبلی نعمانی اعظم گڑھ ضلع کے موضع بندول میں 1857ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ حبیب اللہ ایک وکیل کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ شبلی نے بھی اعلیٰ تعلیم کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا اور وکالت بھی کی لیکن اس پیشے میں دل نہ لگا اور درس و تدریس سے منسلک ہو گئے۔
- 1881ء میں شبلی کی ملاقات سر سید سے ہوئی۔ سر سید نے ان کی علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے علی گڑھ میں استاد مقرر کیا۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران شبلی سر سید اور ان کے کتب خانے سے کافی فائدہ اٹھایا۔
- شبلی نعمانی نے مختلف موضوعات پر کتابیں، رسائل، مقالات اور مضامین تحریر کیے۔ انہوں نے اسلام کی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے سیرت و سوانح نگاری کی طرف دھیان دیا۔ انہوں نے اپنی ادبی تخلیقات کا آغاز شاعری سے کیا۔
- نثر میں ان کی پہلی تصنیف "اسکات المعتدی علی انصات المقتدی" تھی۔ جو عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس رسالے کو لکھنے کا سبب مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کے نماز اور مقتدی کے متعلق متضاد قسم کے خیالات کا تدارک تھا۔ اسی زمانے میں شبلی کا ایک رسالہ " قرات الفاتحہ خلف الامام " شائع ہوا تھا۔ یہ دونوں رسالے فقہ حنفی کی تائید میں لکھے گئے تھے۔
- شبلی کی اردو زبان میں باقاعدہ نثری تصنیف ان کے مضمون "مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم" کو مانا جاتا ہے جس میں شبلی نے مسلمانوں کی تابناک ماضی کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔
- شبلی نعمانی عربی نثر کے ساتھ عربی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ 1881ء میں جب اپنے والد کے ہمراہ علی گڑھ کا سفر کیا تو عربی زبان میں سر سید کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھ کر ساتھ لے گئے۔ سر سید نے اس قصیدے کو بہت پسند کیا اور علی گڑھ میگزین میں شائع بھی کرایا۔ شبلی کا یہ قصیدہ ان کی شاعرانہ قابلیت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ قصیدہ شبلی کی پہلی شعری تخلیق مانا جاتا ہے۔
- شبلی ایک بہترین سوانح نگار بھی تھے۔ ان کی پہلی سوانح عمری "المامون" ہے جو 1887ء میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں خلیفہ مامون رشید کی شخصیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد 1891ء میں امام ابو حنیفہ کی حیات و خدمات پر مشتمل سوانح

عمری "سیرۃالنعمان" شائع ہوئی۔ جس میں شبلی نعمانی نے امام ابو حنیفہ سے سچی محبت و عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔

- 1893ء میں شبلی کا شعری مجموعہ "مجموعہ نظم شبلی" کے نام سے شائع ہوا۔ شبلی کے اس مجموعے میں فارسی قصائد، مرثیے، مثنویاں، قطعات، ترکیب بند اور دیگر متفرق کلام شامل ہیں۔ شبلی اردو کے بجائے فارسی کے باکمال اور مقبول شاعر تھے۔
- شبلی نے 1892ء میں ترکی، شام، فلسطین اور مصر کا سفر کیا۔ ان کے اس دورے کا مقصد ان ممالک کے نظام تعلیم اور کتب خانوں کا جائزہ لینا تھا۔ شبلی ان ممالک کے نظام تعلیم سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ سفر بہت کامیاب سفر رہا اور واپسی پر اس سفر کی روداد "سفر نامہ روم و مصر و شام" کے عنوان سے 1894ء میں شائع کرایا۔
- شبلی کی ایک اور اہم تصنیف "شعر العجم" ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی جلد 1908ء میں اور آخری جلد شبلی کی وفات کے چار سال بعد 1918ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب در اصل فارسی شاعری کی تاریخ و تنقید ہے جس کو شبلی نے نہایت محققانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔
- شبلی کی تصنیفات و تالیفات کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سیرت النبی دو جلدیں، الغزالی، سوانح مولانا روم، موازنہ انیس و دبیر، امیر خسرو وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ مکاتیب، مقالات اور کلیات بھی شامل ہیں۔
- مولانا محمد حسین آزاد 10 جون 1830ء کو دہلی کے ایک معزز اور صاحب علم گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے دادا مولانا محمد اکبر اپنے وقت کے جید عالم اور مجتہد تھے۔ مولوی محمد باقر مشہور صحافی ادیب اور مجاہد آزادی ان کے والد تھے۔
- مولانا محمد حسین آزاد مورخ، محقق، نقاد ہونے کے ساتھ ہی جدید شاعری کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔ آزاد کو شعر و ادب کا شوق دہلی کالج کے زمانے سے ہی تھا لہٰذا شاعری میں انہوں نے اپنے والد کے عزیز دوست اور اس دور کے مشہور شاعر شیخ محمد ابراہیم ذوق سے اصلاح لی۔
- مولانا محمد حسین آزادؔ کی کتاب "نیرنگ خیال" تمثیل نگاری کے حوالے سے پہلی نثری کتاب سمجھی جاتی ہے اگرچہ اس سے پہلے رجب علی بیگ سرورؔ کی کتاب "گلزار سرور" میں تمثیل کے نقوش پائے جاتے ہیں۔
- آزادؔ کی اہم کتابوں میں سے ایک "آب حیات" ہے جسے اردو شعرا کی تاریخ تو نہیں کہہ سکتے مگر اردو شعرا کا اہم ترین تذکرہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ جس میں مصنف نے اردو شاعری کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اسے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے۔
- مولانا محمد حسین آزاد نے اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں "سخن دان فارس، دربار اکبری، دیوان ذوق، قصص ہند، اردو کا قاعدہ اور قواعد اور نگارستان بہت اہم ہیں۔
- مشہور ریاضی داں مولوی ذکاءاللہ کا شمار دہلی کالج کے ممتاز طلبا میں ہوتا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد دہلی کالج کے ساتھیوں میں تھے۔ دہلی کالج میں انہوں نے عربی و فارسی امام بخش صہبائی اور ریاضی ماسٹر رام چندر سے پڑھی۔
- مولوی ذکاءاللہ کی عمر جب محض 17 برس کی تھی تو اردو زبان میں ریاضی پر پہلی کتاب تصنیف کی جس سے علمی حلقوں میں ایک حیرانی چھاگئی۔

- مولوی ذکاءاللہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی کالج میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے۔اس کے بعد سات سال تک آگرہ کالج میں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔ وہ ریاضی کے ساتھ ساتھ اردو و فارسی پر کافی عبور رکھتے تھے۔1855 میں ڈپٹی انسپکٹر آف مدارس بنائے گئے اور تقریبا 11 سال تک اس عہدے سے منسلک رہے۔ آخر میں میور سینٹرل کالج الہ اباد سے عربی و فارسی کے استاد کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے اور بقیہ عمر تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ان کا انتقال دسمبر 1910 میں دہلی میں ہوا۔
- مولوی ذکاءاللہ کی تصانیف کی تعداد لگ بھگ 150 کے قریب ہے۔ جن میں 10 جلدوں پر مشتمل "تاریخ ہندوستان" بہت مشہور ہے۔ جس کے طویل مقدمہ کے مطالعہ سے ان کی مورخانہ صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ "آئینہ قیصری"(ملکہ وکٹوریہ کی لائف)اور فرہنگ فرنگ(اہل یورپ کی شائستگی اور تہذیب کا حال) تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔
- مولوی ذکاءاللہ تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے۔ سرسید تحریک کے فعال رکن کی حیثیت سے اس کے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہر ممکنہ کوشش کی۔ انجمن ترقی اردو کے نائب صدر کی ذمہ داری بھی نبھائی۔ تہذیب الاخلاق میں برابر مضامین لکھتے رہے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے خان بہادر کا خطاب دیا۔

3.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
صدرالصدور	:	منصف اعلیٰ، چیف جج جسے مذہبی امور اور اوقاف کی نگرانی کے لیے قاضی وغیرہ کی تقرری کا اختیار بھی ہوتا تھا
قصص	:	قصہ کی جمع، داستان، کہانیاں
محیط	:	گھیرا ہوا
نفوذ	:	سرایت کرنا، داخل ہونا
عتاب	:	عذاب، سزا
بے اعتنائی	:	لاپرواہی
متنازعہ فیہ	:	جس کے بارے میں اختلاف پایا جائے
پلندہ	:	گٹھری، کپڑے میں بندھی ہوئی چیز
تتر بتر ہونا	:	منتشر ہو جانا
ریاضیات	:	ریاضی کی جمع، حساب، Mathematic
بااین ہمہ	:	ان تمام باتوں کے ساتھ

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سرسید احمد خاں کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی (b) آگرہ (c) علی گڑھ (d) پانی پت

2۔ سرسید نے ابتدائی تعلیم کس سے حاصل کی؟

(a) ماں (b) والد (c) مدرسے (d) حالی

3۔ آثار الصنادید کے مصنف کا نام بتایئے؟

(a) حالیؔ (b) شبلیؔ (c) نذیر احمد (d) سرسید

4۔ حالیؔ کے والد کا نام کیا تھا؟

(a) خواجہ احمد عباس (b) خواجہ ایزد بخش (c) خواجہ فرید (d) خواجہ غلام الثقلین

5۔ امسدس "مدو جزر اسلام" کس کی نظم ہے؟

(a) حالی (b) آزادؔ (c) نظیرؔ (d) شبلی

6۔ "المامون" کس زمرے میں آتی ہے؟

(a) ناول (b) سوانح (c) تنقید (d) تاریخ

7۔ نیرنگ خیال کس کی تصنیف ہے؟

(a) محمد حسین آزاد (b) شبلیؔ (c) اقبال (d) حالیؔ

8۔ شعر العجم میں کس زبان کی تاریخ بیان کی گئی ہے؟

(a) عربی (b) فارسی (c) اردو (d) ہندی

9۔ آب حیات کا موضوع کیا ہے؟

(a) تذکرہ (b) تاریخ (c) اخلاق (d) سیرت

10۔ ذیل میں سے مولوی ذکاءاللہ کے ہم عصروں میں کون ہے؟

(a) سرسید (b) محمد حسین آزاد (c) شبلی (d) پریم چند

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ سرسید احمد خاں کے ابتدائی حالات زندگی بیان کیجیے۔

2۔ حالیؔ کی تصنیفات کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

3۔ شبلی نعمانی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، اظہار خیال کیجیے۔

4۔ مولانا محمد حسین آزاد پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ مولوی ذکا اللہ کی علمی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کے ادبی معاصرین کا سوانحی کوائف قلمبند کیجیے۔

2۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک کے اغراض و مقاصد بیان کیجیے۔

3۔ مولوی ذکا اللہ اور شبلی نعمانی کی علمی و ادبی خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیجیے۔

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ حیات النذیر	سید افتخار عالم بلگرامی
2۔ سرسید اور ان کے نامور رفقا	سید عبد اللہ
3۔ محمد حسین آزاد، حیات اور تصانیف	اسلم فرخی
4۔ اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	سید احتشام حسین
5۔ جدید اردو نثر کے معمار۔ حالی، شبلی اور محمد حسین آزاد	صدیق الرحمٰن قدوائی

3.5.1 کے جوابات:

1-A	2-B	3-D	4-B	5- A
6-B	7-A	8-B	9-A	10-B

اکائی 4 : نذیر احمد کی ادبی خدمات

(ناول، خطبات، مضامین، خطوط وغیرہ)

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 نذیر احمد کی ادبی خدمات

4.2.1 ناول

4.2.2 خطبات

4.2.3 مضامین

4.2.4 خطوط

4.2.5 متفرقات

4.3 اکتسابی نتائج

4.4 کلیدی الفاظ

4.5 نمونہ امتحانی سوالات

4.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد سرسید تحریک کے زیر اثر جن ادیبوں اور دانشوروں نے مسلم سماج کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی ان میں ڈپٹی نذیر احمد کے نام کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یوں تو ڈپٹی نذیر احمد کی شناخت اردو کے اولین ناول نگار کے طور پر

ہوتی ہے، لیکن ناول کے علاوہ ان کی درسی کتب، ترجمہ اور لکچر کا ایک بیش بہا سرمایہ موجود ہے جو نہ صرف اردو کی ابتدائی صورت حال کو سمجھنے میں مددگار ہے بلکہ ڈپٹی نذیر احمد کی حیرت انگیز صلاحیت اور قانونی میدان میں ان کی معلومات کا بھی شاہد ہے۔ اس اکائی میں ہم ڈپٹی نذیر احمد کی ان تمام تصنیفات سے متعارف ہوں گے اور جانیں گے کہ انہوں نے ناول کے ساتھ ساتھ اور کن میدان میں اپنی خدمات انجام دی ہیں۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ڈپٹی نذیر احمد کے تصنیفی خدمات کا احاطہ کر سکیں۔
- ڈپٹی نذیر احمد کی ترجمہ نگاری کی خصوصیات کو سمجھ سکیں۔
- قانون کے میدان میں ڈپٹی نذیر احمد کی خدمات کو سمجھ سکیں۔

4.2 نذیر احمد کی ادبی خدمات

4.2.1 ناول

مراۃ العروس (1869) اردو زبان کا پہلا اور نہایت مشہور ناول سمجھا جاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد نے اسے اپنی بچیوں کی اخلاقی تربیت اور کردار سازی کے مقصد سے تحریر کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیٹیاں ایک ایسی کتاب پڑھیں جس سے ان کے اخلاق میں نرمی اور اعمال میں درستگی پیدا ہو۔ اسی خیال سے انھوں نے بغیر کسی منصوبے کے لکھنا شروع کیا اور اپنی بڑی بیٹی سکینہ کو دو چار صفحات دے دیتے۔ جب وہ پڑھ لیتی تو مولوی صاحب اگلا حصہ لکھ دیتے۔ جب یہ تصنیف مکمل ہوئی تو اردو ادب میں ناول نگاری کا آغاز ہو چکا تھا۔

اس ناول میں دہلی کے شریف اور متوسط طبقے کے مسلم گھرانوں خصوصاً خواتین کے سماجی و اخلاقی حالات کی تفصیلی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمان لڑکیوں کی تربیت، اخلاقی اصلاح اور گھریلو زندگی کے شعور کو اجاگر کرنا تھا۔ عورتوں کی مخصوص زبان اور کردار نگاری اس ناول کی نمایاں خوبی ہے۔ اکبری اور اصغری جیسے کردار آج بھی اردو ادب میں زندہ ہیں۔ اہم کرداروں میں اکبری، اصغری، دوراندیش خان، خیر اندیش خان، ان کی ساس، ماماعظمت، محمد عاقل، محمد کامل، محمد فاضل، سیٹھ ہزاری مل، تماشا خانم، حسن آراء، جمال آراء، شاہ زمانی بیگم، سلطانی بیگم، سفہن، جیمس صاحب اور کٹنی شامل ہیں۔ نذیر احمد کے تمام ناولوں میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ اخلاقی سبق اور اصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔ 'مراۃ العروس' کا انگریزی ترجمہ 1903 میں لندن سے شائع ہوا اور حکومت نے اس کتاب پر مولانا کو ایک ہزار روپے انعام سے نوازا۔

بنات النعش (1873) نذیر احمد کا دوسرا ناول ہے جو دراصل 'مراۃ العروس' کا تسلسل ہے۔ اس میں وہی طرزِ تحریر، وہی زبان اور وہی اصلاحی مقصد برقرار رکھا گیا ہے۔ ناول کی مرکزی کردار حسن آراء ہے جو اصغری کے قائم کردہ اسکول میں تعلیم حاصل کر کے زندگی میں

کامیاب ہوتی ہے۔ اس ناول کے ذریعے مصنف نے عورتوں کی تعلیم، ان کے گھریلو کردار اور مردوں کی زندگی کو بہتر بنانے میں ان کے کردار کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

اس میں نذیر احمد نے معلوماتِ عامہ کے مختلف مضامین کو کہانی کی صورت میں بیان کیا، جیسے رنگوں کی خصوصیات، زمین کا حجم، علمِ تاریخ، جغرافیہ اور فلکیات وغیرہ۔ اصغری خانم کو بطور مرکزی کردار پیش کیا گیا جو تعلیمِ نسواں کی حامی بن کر لڑکیوں کو مختلف علوم اور گھریلو ہنر سکھاتی ہے۔

توبۃ النصوح (1877) نذیر احمد کا تیسرا اور سب سے زیادہ معروف ناول ہے، جسے ان کا شاہکار کہا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی موضوع اولاد کی تربیت ہے۔ مصنف نے واضح کیا ہے کہ صرف تعلیم کافی نہیں، تربیت بھی لازمی ہے۔ یہ ناول مکالماتی انداز میں لکھا گیا ہے اور اس میں گھریلو اختلافات کے خاتمے اور بچوں کی اصلاح کے عملی طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب کا عنوان الگ ہے۔ نصوح اس ناول کا مرکزی کردار ہے جو خواب میں اپنی موت اور آخرت کا منظر دیکھ کر بدل جاتا ہے اور گھر و معاشرے کی اصلاح میں لگ جاتا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ 1884 میں سر ولیم میور کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوا۔

فسانہ مبتلا(1885)، جس کا اصل نام 'محصنات' ہے، نذیر احمد کا چوتھا اصلاحی اور معاشرتی ناول ہے۔ اس میں جاگیر دارانہ نظام اور طبقاتی فرق پر تنقید کی گئی ہے۔ غیرت بیگم اور مبتلا اس طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہریالی اگرچہ نچلے طبقے سے تعلق رکھتی ہے مگر سلیقے میں بہتر دکھائی گئی ہے۔

اس ناول میں مصنف نے ذات پات کے نظام اور ایک سے زیادہ شادیوں کے نقصانات پر مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ ازدواجی مسائل کو مذہبی اور سماجی زاویے سے پیش کرتے ہیں۔ عارف اور مبتلا کے درمیان مکالموں کے ذریعے وہ تعددِ ازدواج کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں۔ آخر کار ناول یہ پیغام دیتا ہے کہ بلاضرورت دوسری شادی معاشرتی و اخلاقی مسائل کو جنم دیتی ہے۔

ابن الوقت (1888) نذیر احمد کا پانچواں اور نہایت اہم ناول ہے۔ اس میں مغربی تہذیب کی اندھی تقلید پر طنز کیا گیا ہے۔ بعض ناقدین کا خیال تھا کہ اس میں سر سید احمد خان پر تنقید کی گئی ہے، مگر خود نذیر احمد نے اس تاثر کی سختی سے تردید کی۔ وہ سر سید کی تحریک کے حامی اور معاون تھے۔

ناول کا مرکزی کردار ابن الوقت ہے جو مغربی تمدن سے بے حد متاثر ہے۔ 1857 کی جنگِ آزادی کے پس منظر میں لکھے گئے اس ناول میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ابن الوقت انگریزی تہذیب میں کھو جاتا ہے، حتیٰ کہ مالی تباہی تک جا پہنچتا ہے۔ مصنف نے اس کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ مغرب کے علوم و فنون سیکھنا مفید ہے، لیکن اندھی تقلید نادانی ہے۔

ایامیٰ (1891) نذیر احمد کا چھٹا ناول ہے۔ اس میں آزادی بیگم مرکزی کردار ہے، جو روشن خیال خواجہ صاحب کی بیٹی ہے جبکہ اس کی ماں ہادی بیگم قدامت پسند خاتون ہے۔ عنوان کا لفظ 'ایامیٰ' سورۂ نور کی آیت 32 سے ماخوذ ہے جس کے معنی غیر شادی شدہ یا بیوہ کے ہیں۔

یہ ناول بیوہ عورت کی زندگی اور اس کے مسائل کو موضوع بناتا ہے۔ نذیر احمد نے آزادی بیگم کے ذریعے بیواؤں کی نفسیاتی کیفیت، ان کے معاشرتی مسائل اور نکاحِ ثانی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ انھوں نے عورتوں کے حقوق، جائیداد کے مسائل اور شادی کی مشکلات پر بھی کھل

کر بحث کی ہے۔

رویائے صادقہ (1894) نذیر احمد کا ساتواں اور آخری ناول ہے۔ اس کی مرکزی کردار صادقہ ہے جو سچے خواب دیکھتی ہے۔ اس کے بارے میں یہ مشہور ہو جاتا ہے کہ اس پر جنات کا اثر ہے، اسی وجہ سے بائیس برس تک اس کی شادی نہیں ہو پاتی۔ آخر کار اس کی شادی علی گڑھ کے طالب علم سید صادق سے طے ہوتی ہے۔

صادق ہر مسئلے کو عقلی بنیادوں پر پرکھنے والا شخص ہے، لیکن اسی عقل پسندی کی وجہ سے مذہب کے معاملے میں تذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ صادقہ کے خواب کے ذریعے اسے روحانی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس ناول کا بنیادی مقصد مسلم معاشرے میں رائج غلط عقائد اور رسوم کی اصلاح ہے۔

'امہات الامہ (1897)' مولوی نذیر احمد کی زندگی کی آخری تصنیف ہے۔ یہ کتاب پادری معظم احمد شاہ شائق کی تصنیف **'امہات المومنین'** کے رد میں تحریر کی گئی تھی۔ پادری نے اپنی کتاب میں ازواجِ مطہرات پر بے بنیاد اعتراضات اور کردار کشی کی کوشش کی تھی۔ مولوی نذیر احمد نے **'امہات الامہ'** میں نہایت علمی و عقلی انداز میں ان اعتراضات کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا اور مدلل جوابات دے کر پادری کے تمام اعتراضات کو باطل ثابت کیا۔ یہ تصنیف نذیر احمد کے دفاعِ اسلام اور علمی بصیرت کا بہترین نمونہ ہے۔

4.2.2 خطبات:

ڈپٹی نذیر احمد ایک بلند پایہ ادیب کے ساتھ ساتھ ایک بہترین خطیب اور مقرر بھی تھے۔ ان کی اس صلاحیت کا سرسید کو بخوبی اندازہ تھا اور انہوں نے ہی پہلی مرتبہ نذیر کو لکچر کے لیے راضی کیا۔ سرسید کے ایما پر ہی نذیر نے اکتوبر 1888 کو ٹاؤن ہال دہلی کے جلسے میں کانگریس کے خلاف پہلا لکچر دیا اور ان کی صلاحیت کی دھوم مچ گئی اور انہیں مقرر کے طور مدعو کیا جانے لگا۔ سرسید نے اپنے تعلیمی مشن کو فروغ دینے کے لیے نذیر کے لکچروں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کی آواز میں ایسی تاثیر تھی کہ مجمع کو بہت کم وقت میں اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ نذیر کے لکچروں کا سلسلہ 1888 سے شروع ہو کر 1905 تک جاری رہا۔ اس مدت میں انہوں نے کل اجتماعی اور انفرادی 44 لکچر دیے۔ نذیر کے لکچروں کے مجموعے کی سب سے پہلی اشاعت فضل الدین تاجر کتب لاہور کے ذریعے ہوئی۔ اس کے بعد دہلی سے نذیر حسین تاجر کتب دہلی نے ان کے مجموعے کو شائع کرایا۔ 1918 میں مولوی بشیر الدین نے ان کے تمام لکچروں کو جمع کر کے دو جلدوں میں شائع کرایا۔ اس طرح ایک جلد میں 22 اور دوسری جلد میں 22 لکچر محفوظ ہو گئے۔

نمبر	خطبہ	تاریخ	مقام
1۔	انڈین نیشنل کانگریس کے خلاف	15 اکتوبر 1888	دہلی
2۔	تجویز اجزائے مدرسہ طبیہ	1888	دہلی
3۔	مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر کونسلر ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے سالانہ جلسے میں	28 دسمبر 88	لاہور
4۔	انجمن حمایتِ اسلام کے چوتھے سالانہ جلسے میں	88	لاہور

5۔	مسلمانوں کی حالت پر محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے سالانہ جلسے میں	28دسمبر1889	علی گڑھ
6۔	جلسۂ افتتاح مدرسہ طبیہ	23جون89	دہلی
7۔	اثبات اصول اسلام، انجمن حمایت اسلام کے پانچویں سالانہ جلسے میں	25فروری90	لاہور
8۔	مدرسہ طبیہ کے پہلے سالانہ جلسے میں	90	دہلی
9۔	مدرسہ طبیہ کے دوسرے سالانہ جلسے میں	91	دہلی
10۔	محمڈن ایجوکیشنل نفرنس کے اجلاس ششم میں	20تا 30 دسمبر 91	علی گڑھ
11۔	انجمن حمایت اسلام کے ساتویں سالانہ جلسے میں	92	لاہور
12۔	حکیم محمود خان صاحب کی وفات پر	92	دہلی
13۔	مدرسہ طبیہ کے تیسرے سالانہ جلسے میں	15جون92	دہلی
14۔	ایجوکیشن کانفرنس کے ساتویں سالانہ جلسے میں	92	دہلی
15۔	فطرۃ اللہ، انجمن حمایت اسلام کے آٹھویں سالانہ جلسے میں	93	لاہور
16۔	ایجوکیشن کانفرنس کی اجلاس ہفتم میں	دسمبر93	علی گڑھ
17۔	انجمن حمایت اسلام لاہور کے نویں سالانہ جلسے میں	94	لاہور
18۔	ڈیپوٹیشن کے ساتھ مختلف مضامین پر	اپریل94	پنجاب
19۔	مدرسہ طبیہ کے پانچویں سالانہ جلسے میں	94	دہلی
20۔	ایجوکیشن کانفرنس کے نویں سالانہ جلسے میں	94	دہلی
21۔	انجمن حمایت اسلام لاہور کے دسویں سالانہ جلسے میں	94	لاہور
22۔	مدرسہ طبیہ کے چھٹے سالانہ جلسے میں	جون95	دہلی
23۔	انجمن حمایت اسلام لاہور کے دوسرے سالانہ جلسے میں	1895	لاہور
24۔	ایجوکشنل کانفرنس کے دسویں سالانہ جلسے میں	1895	شاہجہانپور
25۔	انجمن حمایت اسلام لاہور کے گیارہویں سالانہ جلسے میں	1896	دہلی
26۔	مدرسہ طبیہ دہلی کے ساتویں سالانہ جلسے میں (بصورت نظم)	2اپریل96	دہلی
27۔	اجلاس یازدہم محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس انجمن ندوۃ العلماء ایجوکیشنل کانفرنس	29دسمبر	میرٹھ
28۔	انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسے میں	29دسمبر	لاہور
29۔	مدرسہ طبیہ دہلی	27مارچ 97	دہلی

30۔ به تقریب جلسه عام دہلی ڈائمنڈ جوبلی شت ساله حضور ملکه معظمه قیصرۂ ہند (مختلف جلسوں میں پڑھی گئی نو نظمیں)		
31۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں	28/فروری98	لاہور
32۔ مدرسہ طبیہ کے جلسے میں	8/اپریل98	دہلی
33۔ تعزیتی جلسہ وفات سر سید احمد۔ٹاؤن ہال، دہلی	27/ اپریل98	دہلی
34۔ حکیم عبد المجید خاں کو عطائے خطاب "حاذق الملک" کی تقریب پر جلسۂ تہنیت۔ ٹاؤن ہال، دہلی		دہلی
35۔ کفر کا فرار دیں دین دار را		دہلی
36۔ ایجو کیشن کانفرنس کے اجلاس میں	دسمبر98	لاہور
37۔ ایجو کیشن کانفرنس پندرہویں سالانہ جلسے	1899	کلکتہ
38۔ مسلمانوں کا نصاب تعلیم — انجمن حمایت اسلام کا 15واں جلسہ	1900	لاہور
39۔ ایجو کیشن کانفرنس کا 16واں سالانہ جلسہ	دسمبر1900	رام پور
40۔ الموسوم درباری لکچر۔مقرر کا اسلامی مذہبی تعلیم پر خطاب	1903	دہلی
41۔ ایجو کیشن کانفرنس 17واں سالانہ جلسہ	دسمبر1903	بمبئی
42۔ آزادی اور مستورات کی بے پردگی — انجمن حمایت اسلام 19واں سالانہ جلسہ	1904	لاہور
43۔ نصاب المسلمین۔ایجو کیشنل کانفرنس۔18واں جلسہ	1904	لکھنؤ
44۔ تعلیم — انجمن حمایت اسلام،20واں جلسہ	1905	لاہور

4.2.3 مضامین

نذیر احمد کے مضامین کا ایک مجموعہ "مولوی نذیر احمد کے علمی مضامین" کے عنوان سے "منشی عبد الرحمن شوق امر تسری" نے شائع کیا جس میں کل 23 مضامین ہیں۔ ابتدائی 16 مضامین نثر ہیں اور آخر کے 6 مضمون غزل کی ہیئت میں اور آخری مثنوی کی ہیئت میں۔ ان کے عنوان درج ذیل ہیں۔

1۔ انسان کی زندگی
2۔ تعلیم اور اس کی غرض وغایت
3۔ ہادی اسلام اور امت سابقہ
4۔ زمانہ حال قرآن اور مسلمان
5۔ اظہار درد اور خدا کی رحمت
6۔ لفظ اسلام اور اس کی حقیقت
7۔ مذہب بغیر صداقت کے نہیں پھیل سکتا
8۔ مذہب اسلام فطرت کے مطابق ہے
9۔ تعلیم اور ملازمت
10۔ لکیر کا فقیر

11۔ سو پشت سے ہے پیشہ سپہ گری
12۔ قصہ حضرت نوح
13۔ ہجرت اولیٰ کے مہاجرین
14۔ آدمی یا انسان۔ آدمیت یا انسانیت
15۔ دنیاوی ترقی کا اصلی گُر کیا ہے
16۔ پردہ اور اس کا رواج
17۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد (غزل)
18۔ زمانہ سابق کے مسلمان (غزل)
19۔ اختلاف مذہب (غزل)
20۔ پیام موت (غزل)
21۔ طبیہ کالج (غزل)
22۔ سر سید احمد خاں صاحب (غزل کی ہیئت)
23۔ اسلام کیا ہے (مثنوی کی ہیئت)

4.2.4 خطوط

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے بیٹے کو وقتاً فوقتاً جو خطوط لکھے تھے انہیں "موعظہ حسنہ" کے نام سے جمع کیا تھا۔ یہ خطوط اس قابل ہیں کہ ہر طالب علم کو انہیں غور سے پڑھنا چاہیے۔ ان خطوط کی اہمیت اس لیے بھی مسلم ہے کہ اردو میں غالب کے خطوط کے بعد جدید طرز کے مکاتیب کا یہ پہلا مجموعہ ہے۔ اس میں شامل خطوط 1876 سے 1879 کے درمیان لکھے گئے اور 1887 میں قومی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئے۔ اس مجموعے کے تمام خطوط ایک شفیق باپ نے اپنے بیٹے کے نام تعلیم و تربیت کی غرض سے لکھے ہیں۔ اب تک اس طرح کے خطوط کا کوئی دوسرا مجموعہ اردو میں مرتب نہیں ہوا۔

موعظہ حسنہ کے تمام خطوط موضوع و مطالب کے لحاظ سے یکسانیت رکھتے ہیں۔ تاہم اس کو اردو کے مکاتیبی ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ان کی وجہ یہی ہے کہ اس کا لکھنے والا ایک شفیق باپ کے ساتھ ساتھ ایک تجربہ کار معلم بھی ہے، اور دونوں اعتبار سے بے مثال بھی ہے۔ باپ کی شکل میں ناصحانہ انداز عموماً ایک ہمدرد دوست کے لہجے میں بدل جاتا ہے۔

بشیر الدین احمد ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ 1876 میں جب ڈپٹی نذیر احمد اعظم گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے کو انگریزی پڑھنے کے لیے والدہ کے پاس دہلی میں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد 1877 سے 1880 تک نذیر حیدر آباد میں مقیم رہے۔ اس دوران معلم باپ نے خطوط کو بیٹے کی تعلیم و ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے خطوط میں اسی طرح قواعد اور زبان کے نکات کو درست کر کے بھیجا کرتے تھے جس توجہ سے وہ اپنے سامنے بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کے دل میں علم کی سچی لگن پیدا کرنا چاہتے تھے، اس لیے ان خطوط میں حصول علم کی ترغیب و تشویش کا مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ وہ خطوط میں بیٹے کو کبھی خاندان کی روایات کا واسطہ دیتے، کہیں طنز کرتے اور کہیں اپنی طالب علمی کی مثال دے کر اس کا شوق بڑھاتے تھے:

> "ارے میاں! ایک طالب علم ہم تھے کہ سارے ہم جماعت بلکہ بہ خدا استاد ہریز ہریز کرتے تھے، مگر تھا کیا کہ بھئی تمہاری طرح میں بد شوق اور کم محنت نہ تھا، بے سامان البتہ تھا۔"
>
> (خط:54)

"بشیر! اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا اگر تمہاری قسمت میں نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔ لیکن اے خدا مجھ کو اس مصیبت کے جھیلنے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک اللہ آمین کا بیٹا اور وہ بھی جاہل یا کٹھ ملا۔:(خط:59)

اگرچہ "موعظہٴ حسنہ "صرف تین چار برس کے خطوط پر مشتمل ایک مجموعہ ہے، مگر ان خطوط میں نذیر احمد کی شخصیت کا مکمل اور واضح عکس نظر آتا ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی کو اجاگر کرنے اور سوانحی خاکے کو مؤثر بنانے کے لیے بھی یہ خطوط نہایت اہم اور قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعے کے خطوط کا آخری نصف حصہ حیدر آباد سے متعلق ہے، جن میں نذیر احمد کی حیدر آباد میں ملازمت کی نوعیت، محسن الملک سے ان کی شناسائی، ریاستِ حیدر آباد کا انتظامی نظام، وہاں کی سیاسی صورتحال اور اس کے اتار چڑھاؤ، سالار جنگ کی جانب سے عطا کی گئی عنایات اور نذیر احمد کو حاصل خصوصی سہولیات کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ الغرض اس دور کی زندگی کے تمام اہم پہلو ان خطوط میں محفوظ ہیں۔ اس خطوطی مجموعے کی اشاعت مجلس ترقی ادب کے تحت امتیاز علی تاج کی نگرانی میں مارچ 1963ء میں ہوئی، اور یہ مجموعہ 261 صفحات پر مشتمل ہے۔

4.2.5 متفرقات

نذیر نے انگریزی اور عربی سے اردو میں بہت سے ترجمے کیے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے ادبی سفر کی شروعات ترجمہ سے ہی کی۔ طالب علمی سے لے کر ملازمت تک ان کا کافی وقت دہلی کالج میں گزرا اور ریاضی میں دلچسپی کی وجہ سے ماسٹر رام چندر سے ان کے مراسم بھی رہے۔ شاید اسی لیے مولوی نذیر نے سب سے پہلے ماسٹر رام چندر کی انگریزی کتاب کے ایک باب کا ترجمہ کیا۔ نذیر نے دہلی کالج میں ملازمت کے دوران ہی انگریزی زبان سیکھی اور باقاعدہ طور پر ترجمے کا کام کیا۔

انہوں نے سب سے پہلے انگری کی ایک کتاب Income Tax Act کا ترجمہ کیا۔ جب انکم ٹیکس ایکٹ اول جاری ہوا تو ریونیو بورڈ کے ممبر سر ولیم میور نے اس ایکٹ کا اردو ترجمہ کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ پہلے ناصر علی خان کو اس کام کے لیے طلب کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ڈپٹی نذیر احمد کا نام بھی تجویز کیا۔ اس ترجمے کی وجہ سے لوگ انہیں مترجم کی حیثیت سے تو جاننے لگے تھے لیکن افسران کی نظر میں وہ اب تک نو مشق ہی تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں "تعزیرات ہند" کے ترجمے کی کمیٹی میں شریک ہونے میں کافی مشقت کرنی پڑی۔

نذیر کا پہلا اہم ترجمہ "ترجمہ پینل کوڈ" ایک اہم قانونی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے اردو اور انگریزی اصطلاحوں پر مہارت ہونا ضروری تھا۔ چونکہ قانون انسان کی زندگیوں کا فیصلہ کرتا ہے اس لیے اس کتاب کا ترجمہ کرنے والے کے اندر قوت فیصلہ، استواری، گہری اور عمدہ سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ Penal code کے ترجمے کے لیے پہلے مولوی کریم الدین بخش اور مولوی عظمت اللہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن لفٹیننٹ گورنر سر ولیم میور کے حکم سے انہیں اس کام کی نگرانی اور نظر ثانی کرنے کا موقع دیا گیا۔

تعزیرات ہند میں نذیر نے قانونی اصطلاحات کا ایسا ترجمہ کیا کہ وہ قانونی ادب کا جزو لاینفک بن گئے۔ مثلاً استحصال بالجبر، تصرف

بجائے مجرمانہ، ثبوت جرم سابق، جبر مجرمانہ، جبری محنت، حفاظت خود اختیاری، کفالت المال وغیرہ۔ یہ اصطلاحات زیادہ تر عام زبان میں لکھی گئیں۔ ان کو مختصر بنانے کے لیے شعوری کوششیں بھی کی گئیں۔ کوشش کی گئی کہ اصطلاحات واضح ہوں اور ٹھیک ٹھیک انگریزی لفظ کا مفہوم ادا کریں۔

نذیر نے ضابطۂ فوجداری کے ایک ترجمے کو بھی درست کیا۔ 1863 میں جب وہ کانپور میں تحصیل دار تھے۔ یہ کتاب ضابطۂ تعزیرات ہند کا ضمیمہ ہے لیکن کسی وجہ سے اس کا ترجمہ تعزیرات ہند کے ساتھ نہیں ہو سکا۔ اس ترجمے کے بعد ہی انہیں صلہ کے طور پر ڈپٹی کلکٹر بنا دیا گیا تھا۔

قوانین کے تراجم کے بعد اعظم گڑھ میں قیام کے دوران نذیر نے ایک اہم ترجمہ کیا جسے سماوات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس ترجمے کے بعد ادبی حلقوں میں نذیر ایک مترجم کی حیثیت سے جانے جانے لگے۔ اس وقت تک نذیر احمد کی مہارت ترجمے کے سلسلے میں کافی بڑھ چکی تھی۔ یہ ترجمہ اس قدر بہتر ہے کہ اس پر تخلیق کا گمان ہوتا ہے۔ کہیں کہیں اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اشعار اصل تصنیف میں موجود نہیں ہیں۔ ترجمہ محاورہ اور قدر آزاد ہے۔ اس ترجمے میں دہلی کالج میں داخل نصاب علم ہیئت کی تصنیف سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ اب دستیاب نہیں ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے افسانوی تصانیف کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ مصائب غدر اسی قسم کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب ایڈورڈ کی انگریزی کتاب ہے۔ اس کی کاپی نیشنل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔ اڈورڈ نے غدر کے دوران اپنی مصیبتوں اور صعوبتوں کو ایک روزنامچے کی شکل میں تحریر کیا تھا۔ اس کتاب میں ہنگامے کے اثرات کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں آنکھوں دیکھی غدر کی شوزشوں کا بیان ملتا ہے۔ اس طرح یہ ایک جامع تاریخ ہے۔ اس سے اس دور کے تاریخ نویس کافی استفادہ کر سکتے ہیں۔ حقیقت کس طرح افسانہ بنتی ہے۔ اس کا اندازہ اس ترجمے سے کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ورڈز صاحب کے جان بچانے والا ادھر اُدھر چھپنے اور جان بچانے کا واقعہ ہے۔ یہ واقعات افسانوی انداز میں لکھے گئے ہیں۔ اس تصنیف سے نذیر کی واقعہ نگاری کے انداز بھی ابھرتے ہیں۔ نذیر نے اس کام کو اتنی عمدگی سے انجام دیا ہے کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ عربی الفاظ کا کم استعمال ہوا ہے۔ تفصیل اور نامانوس الفاظ کا استعمال بھی کم کیا ہے۔ عوام کی بول چال کے الفاظ کو براہ راست عوام کی توسیع سے پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد موضوعات کے لحاظ سے بھی زبان میں ردوبدل کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کے اسلوب تحریر میں تنوع کا احساس ہوتا ہے۔

منتخب الحکایات زیادہ تر انگریزی حکایتوں کا ترجمہ ہے۔ یہ بچوں کے لیے لکھی گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی زبان نہایت سادہ ہے اور کہیں مشکل الفاظ قصداً اس لیے لائے گئے ہیں کہ بچے اردو کے مشکل الفاظ سے مانوس ہو سکیں۔ اسے نذیر کے افسانوی ترجمہ کا حصہ کہنا چاہیے۔ اس میں طنز سے زیادہ مزاح کا سہارا لیا گیا ہے۔

ان حکایات میں تمام ترجمہ نہیں ہیں بلکہ کچھ نذیر کی اپنی تصنیف ہیں۔ ان کی پیش کش میں حتیٰ الامکان اختصار برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ آپ تھوڑا پڑھ کر زیادہ لطف اندوز ہوں۔ موعظہ حسنہ سے ایک اور مجموعہ حکایت "حکایات النعمان" ہے۔ یہ نسخہ دستیاب نہیں ہے۔

مبادی حکمت میں عربی اور انگریزی دونوں زبانوں سے خیالات اخذ کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تیاری میں نذیر احمد نے انگریزی کے ایک رسالے سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب گورکھپور میں قیام کے دوران 1871 میں شائع ہوئی۔

حیدرآباد کے قیام کے دوران نذیر نے سات آٹھ چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل تحریر کیے۔ ان میں علما کے لیے ہدایتیں اور شہزادے لائق عمل کے لیے تعلیمی نصاب تھا۔

نذیر کی دو مذہبی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ترجمۃ القرآن، الحقوق والفرائض، امہات الامہ۔ اس کے علاوہ اجتہاد، مطالب القرآن، ادعیہ القرآن، سورہ وغیرہ بھی ان کی بڑی چھوٹی کتابیں ہیں لیکن یہ زیادہ اہم نہیں۔ مذہبی کتابوں کی تصنیف عمر کے آخری حصے میں کی گئی ہیں۔ اس وقت تک وہ شعر و تجربہ اور فن ترجمہ کے میدان میں کافی پختہ ہو چکے تھے اور ناول اور لکچروں کی وجہ سے ان کی شہرت بھی بڑھ گئی تھی۔ عوام کے لیے ہر دل عزیز ہو گئے تھے۔ امہات الامہ نذیر کی ممکن تصنیف ہے۔ یہ 1909 کے آس پاس لکھی گئی۔ اس کتاب کو ایک عیسائی اہانت آمیز کتاب "امہات المومنین" کے جواب میں لکھا گیا۔ نذیر احمد نے اس کتاب میں عیسائی گستاخ رسول کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر تکثیر ازدواج کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر کام اسلام کی بہتری کے لیے ہوتا تھا۔ اس تصنیف میں نذیر نے ائمہ اثنا عشر کے متعلق، خلفائے راشدین کے متعلق اور چند اہم صحابیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کتاب کو نذر آتش کر دیا گیا تھا، اور شاہد احمد دہلوی کے مطابق نذیر نے پھر کبھی قلم نہیں اٹھایا، تاہم نذیر کی ایک اور تصنیف "مطالب القرآن" کو ان کی آخری نامکمل تصنیف مانا جاتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی زندگی میں کثیر تعداد میں کتابیں لکھیں۔ ان کی تمام کتابیں اس قابل ہیں کہ آج کی نسل کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے۔ اپنی چھوٹی بیٹی کے لیے 1869 میں ایک کتاب منتخب الحکایات لکھی جسے محکمہ تعلیم نے تمام مدارس کے لیے جاری کیا تھا۔ بیٹے کے لیے 1869 میں ایک کارآمد کتاب "چند بند" کے نام سے لکھی۔ اس کتاب میں سبق آموز اشارے درج ہیں۔ بچوں کو فارسی سکھانے کے لیے 28 صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "نصاب خسرو" کے نام سے جاری کیا۔ اس میں کل 758 الفاظ ہیں۔ اسے بھی نصاب میں داخل کیا گیا تھا۔ فارسی قواعد کا ایک منظوم رسالہ "صرف صغیر" کے نام سے لکھا۔ ایک مثال دیکھیے:

بتاؤں ماضی کی تم کو قسمیں کہ چھ ہیں گنتی میں جانِ باب

ہے پہلے مطلق جو نونِ مصدر کو حذف کر ڈالو بے محابا

صحیح قواعد سیکھنے کے لیے 32 صفحات پر مشتمل "رسم الخط" نامی ایک رسالہ جاری کیا۔

مایغنیک فی الصرف عربی علم صرف پر مشتمل سو صفحات کا ایک رسالہ ہے۔ یہ 1892 میں تالیف ہوا تھا۔

روزنامچہ مصائب غدر' ولیم اڈوارڈس' کی سرگزشت 1857 ہے جو اس نے انگریزی میں روزنامچہ کی حیثیت سے لکھ کر چھپوایا تھا جس کا ترجمہ بھی ڈپٹی نذیر احمد نے مصائب غدر کے نام سے کیا ہے۔

علم منطق پر مبنی مفید اور دلکش کتاب "مبادی الحکمت" 1870 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب پر گورنمنٹ کی جانب سے پانچ سو روپیہ انعام دیا گیا تھا۔ بنگال یونیورسٹی نے اسے اپنے کورس میں داخل کر لیا تھا۔

قرآن کریم میں مرقوم دعاؤں کو یکجا کر کے "ادعیۃ القرآن" کا نام دیا۔

ڈپٹی نذیر احمد پیشے کے اعتبار سے ڈپٹی، ذوق کے اعتبار سے عظیم مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ بھی تھے، لہٰذا انہوں نے ایک کتاب "دہ سورہ فی احسن صورہ" کے عنوان سے ترتیب دی۔ 146 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی اشاعت 1907 میں عمل میں آئی۔ اس میں قرآن کی دس سورتوں(سورہ یٰسین، ، سورۃ الفتح، سورۃ الرحمن، سورۃ الواقعہ، سورۃ الملک، سورہ مزمل، عم یتساء لون، سورہ اخلاص، سورۃ فلق اور ناس) کو جمع کیا گیا ہے۔ ان سورتوں کی آیات کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ ان کے فضائل و خواص کو بھی بیان کیا ہے۔ قرآن کی 114 سورتوں میں سے 29 ایسی ہیں جن کی ابتدا حروف مقطعات (طٰہٰ، یٰس، ص، حٰم، الرٰ) سے ہوتی ہے۔ مولوی نذیر احمد نے ان مقطعات کا ایک نقشہ بنایا ہے جس میں سورہ کا نام، اس کے معنی، وجہ تشبیہ، حروف مقطعات اور ان کے تلفظ کا طریقہ بھی بتایا ہے۔

ڈپٹی صاحب کی ایک مرتبہ کتاب "اسلامی احکامات" کے عنوان سے مولانا کے انتقال کے بعد 1958 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں فرض، سنت، واجب، مستحب، حرام کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ طہارت کا طریقہ، وضو کرنے کا طریقہ، توبہ و استغفار، غسل، تیمم، اذان کا طریقہ، اذان کی فضیلت کا بھی بیان ہے۔

"الحقوق و الفرائض" کے عنوان سے علم کلام کی ایک مفصل کتاب لکھی۔ اس میں اسلامی عقائد کا تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔ 1903 کے دربار کے انگریزی حالات کا ترجمہ "تاریخ دربار تاج پوشی" کے عنوان سے کیا۔ اس ترجمہ پر انہیں ایک ہزار روپے کا انعام ملا تھا جسے انہوں نے واپس کر دیا۔ "امہات الامۃ" میں آپ ﷺ کی زندگی کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب کی وجہ سے ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگا۔

مولانا کی زندگی کا سب سے اہم ترین کارنامہ "ترجمۃ القرآن" ہے جس نے انہیں حیات جاوید بخشی۔ مولوی نذیر احمد عربی زبان پر غیر معمولی عبور رکھتے تھے۔ بہت سے لوگ طویل عرصے سے ان سے قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنے کی درخواست کرتے رہے، لیکن وہ ہمیشہ اس ذمہ داری سے گریز کرتے اور کہا کرتے کہ یہ کام ان علمائے دین کا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت میں وقف کر دی ہو۔ تاہم، جب وہ ملازمت سے سبکدوش ہو کر دہلی واپس آئے تو انہوں نے ترجمے سے ابتدا کی۔ اس دوران جب انہیں کئی آیاتِ قرآنی کا ترجمہ بھی کرنا پڑا تو اندازہ ہوا کہ یہ کام اتنا مشکل نہیں جتنا وہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے علماو فضلا سے مشورے کے بعد باقاعدہ قرآنِ مجید کا ترجمہ شروع کیا۔ ہر لفظ پر غور و بحث کے بعد ہی حتمی ترجمہ لکھا جاتا۔

ترجمہ مکمل ہونے کے بعد اسے ایک نابینا عالمِ دین کو سنایا گیا، پھر دوسرے عالم سے اس کی نظر ثانی کروائی گئی۔ اس کے بعد بھی جب تک تمام نسخے درست اور پروف تسلی بخش نہ ہو گئے، اسے شائع نہیں کیا گیا۔ اس پورے عمل میں تقریباً ڈھائی سال لگ گئے۔ نتیجتاً ایک نہایت شُستہ، رواں اور بامحاورہ ترجمہ کی صورت میں سامنے آیا، جو نصف صدی گزرنے کے بعد بھی اپنی مثال آپ ہے۔ مولوی نذیر احمد کو اپنی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ یہی ترجمہ پسند تھا، اور ان کا کہنا تھا کہ ”میں نے باقی سب کتابیں دوسروں کے لیے لکھیں، مگر یہ ترجمہ اپنے لیے — کہ یہی میرا توشۂ آخرت ہے۔“

انہوں نے قرآنِ مجید کا ترجمہ دہلی کی خالص اور فصیح اردو میں کیا۔ ایک زبان کے مفاہیم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا خود ایک

دشوار فن ہے، اور پھر اگر وہ کلامِ الٰہی ہو تو ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ نذیر احمد جب کسی لفظ کے لفظی ترجمے سے مقصد پورا نہ ہوتا دیکھتے، تو مفہوم کو بہتر طور پر ادا کرنے کے لیے بامحاورہ اور بامعنی اسلوب اختیار کرتے۔ یہی انداز انہوں نے "تعزیراتِ ہند" کے ترجمے میں بھی برتا تھا۔ مثلاً انگریزی فقرے **Transportation for life** کا ترجمہ انہوں نے "حبسِ دوام بہ عبورِ دریائے شور" کیا، جو "عمر قید" سے زیادہ مکمل مفہوم ادا کرتا ہے، کیونکہ اس میں 'کالے پانی" کی سزا کا مفہوم بھی شامل ہے۔

اسی طرح قرآن کے ترجمے میں بھی انہوں نے محض لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے مفہوم کو واضح اور عام فہم بنانے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر "عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس" کے بجائے انہوں نے لکھا: "مرد عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے" —جو اردو محاورے کے لحاظ سے زیادہ بلیغ ہے۔ کئی جگہ انہوں نے وضاحت کے لیے بریکٹ میں اضافی الفاظ بھی شامل کیے، جسے بعض علما نے "آزادی" سمجھ کر ناپسند کیا۔ انہی اعتراضات کے جواب میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "ردِ ترجمہ دہلویہ" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف کی۔ تاہم، مولوی نذیر احمد نے اپنے ترجمے میں کوئی تبدیلی نہیں کی —اور آج تک ان کا یہ ترجمہ عوام و خواص میں یکساں مقبول ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قانونِ انکم ٹیکس اور قانونِ شہادت کا بھی ترجمہ کیا۔

4.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- مراۃ العروس اردو زبان کا نہایت مشہور اور ڈپٹی نذیر احمد کا پہلا ناول ہے، یہ ناول پہلی مرتبہ 1869 میں شائع ہوا۔ اس کے بعد نذیر کے " بنات النعش(1873) ،توبۃ النصوح (1877) ،فسانہ مبتلا(1885)، ابن الوقت(1888) ،ایامیٰ(1891) ، رویائے صادقہ (1894) ، 'امہات الامہ (1897) " جیسے ناول منظر عام پر آئے۔
- سرسید کے ایما پر ہی نذیر نے اکتوبر 1888 کو ٹاؤن ہال دہلی کے جلسے میں کانگریس کے خلاف پہلا لکچر دیا۔ نذیر کے لکچروں کا سلسلہ 1888 سے شروع ہو کر 1905 تک جاری رہا۔ 1918 میں مولوی بشیر الدین نے ان کے تمام لکچروں کو جمع کر کے دو جلدوں میں شائع کرایا۔ اس طرح ایک جلد میں 22 اور دوسری جلد میں 22 لکچر محفوظ ہو گئے۔
- نذیر احمد کے مضامین کا ایک مجموعہ "مولوی نذیر احمد کے علمی مضامین" کے عنوان سے "منشی عبد الرحمن شوق امرتسری" نے شائع کیا جس میں کل 23 مضامین ہیں۔
- ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے بیٹے کو وقتاً فوقتاً جو خطوط لکھے تھے انہیں "موعظہ حسنہ " کے نام سے جمع کیا تھا۔ اس میں شامل خطوط 1876 سے 1879 کے درمیان لکھے گئے اور 1887 میں قومی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئے۔
- نذیر نے انگریزی اور عربی سے اردو میں بہت سے ترجمے کیے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے ادبی سفر کی شروعات ترجمہ سے ہی کی۔
- نذیر کا پہلا اہم ترجمہ "ترجمہ پینل کوڈ" ایک اہم قانونی کتاب کا ترجمہ ہے۔
- نذیر نے ضابطۂ فوجداری کے ایک ترجمے کو بھی درست کیا۔

- قوانین کے تراجم کے بعد اعظم گڑھ میں قیام کے دوران نذیر نے ایک اہم ترجمہ کیا جسے سماوات کے نام سے جانا تا جاتا ہے۔
- ڈپٹی نذیر احمد نے افسانوی تصانیف کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ مصائب غدر اسی قسم کا ترجمہ ہے۔
- منتخب الحکایات زیادہ تر انگریزی حکایتوں کا ترجمہ ہے۔ یہ بچوں کے لیے لکھی گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی زبان نہایت سادہ ہے اور کہیں مشکل مشکل الفاظ قصداً اس لیے لائے گئے ہیں
- حیدرآباد کے قیام کے دوران نذیر نے سات آٹھ چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل تحریر کیے۔ان میں علما کے لیے ہدایتیں اور شہزادے لائق عمل کے لیے تعلیمی نصاب تھا۔
- نذیر کی دو مذہبی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ترجمۃ القرآن، الحقوق والفرائض، امہات الامہ۔اس کے علاوہ اجتہاد، مطالب القرآن، ادعیہ القرآن، سورہ وغیرہ بھی ان کی بڑی چھوٹی کتابیں ہیں لیکن یہ زیادہ اہم نہیں۔ مولانا کی زندگی کا سب سے اہم ترین کارنامہ "ترجمۃ القرآن" ہے جس نے انہیں حیات جاوید بخشی۔
- مایغنیک فی الصرف عربی علم صرف پر مشتمل سو صفحات کا ایک رسالہ ہے۔ یہ 1892 میں تالیف ہوا تھا۔
- علم منطق پر مبنی مفید اور دلکش کتاب "مبادی الحکمت "1870 میں شائع ہوئی۔
- "الحقوق والفرائض" کے عنوان سے علم کلام کی ایک مفصل کتاب لکھی۔

4.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
درستگی	:	اصلاح، ٹھیک کرنا
حجم	:	مقدار، جسامت
شاہکار	:	بہترین تخلیق، نہایت اعلیٰ نمونہ
تقلید	:	نقل کرنا، پیروی
اجتماعی	:	مل جل کر، سب کا مشترکہ
انفرادی	:	اکیلا، ذاتی
اثبات	:	تصدیق، ثابت کرنا
معظمہ	:	معزز، قابلِ احترام
غرض وغایت	:	مقصد، مدعا
مکاتیبی	:	خطوط سے متعلق، خط و کتابت کا
مراسم	:	تعلقات، آداب

فوجداری	:	جرائم سے متعلق
تعزیراتِ ہند	:	ہندوستان کا فوجداری قانون
مانوس	:	آشنا، جانا پہچانا
مقطعات	:	مختصر نظمیں، ٹکڑوں میں کہی گئی شاعری
موعظہ حسنہ	:	اچھی نصیحت، نیک وعظ

4.5 نمونہ امتحانی سوالات

4.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ نذیر احمد کا پہلا ناول کون سا ہے؟

(a) مراۃ العروس (b) ابن الوقت (c) فسانۂ مبتلا (d) ایامیٰ

2۔ نذیر کے کس ناول کو "محصنات" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے؟

(a) مراۃ العروس (b) فسانۂ مبتلا (c) رویائے صادقہ (d) ایامیٰ

3۔ نذیر نے پہلا خطبہ کس شہر میں دیا؟

(a) لکھنؤ (b) بنارس (c) دہلی (d) علی گڑھ

4۔ نذیر کے خطبات کے کتنے مجموعے ہیں؟

(a) دس (b) چار (c) تین (d) دو

5۔ ڈپٹی نذیر احمد کے خطوط کا مجموعہ کس نام سے شائع ہوا؟

(a) موعظہ حسنہ (b) عود ہندی (c) غبار خاطر (d) عکس در عکس

6۔ نذیر احمد کے بیٹے کا نام کیا تھ؟

(a) شبیر الدین (b) بشیر الدین احمد (c) وزیر احمد (d) شہاب الدین

7۔ نذیر نے "انڈین پینل کوڈ" کا ترجمہ کس نام سے کیا؟

(a) ہندوستانی کوڈ (b) ہندوستانی قوانین (c) تعزیرات ہند (d) قانونی دفعات

8۔ اعظم گڑھ میں قیام کے دوران نذیر نے کون سا ترجمہ کیا؟

(a) اجتہاد (b) چند بند (c) منتخب الحکایات (d) سماوات

9۔ منتخب الحکایات زیادہ تر کس زبان کی حکایتوں کا ترجمہ ہے۔

(a)انگریزی (b)ہندی (c)فارسی (d)عربی

10۔ نذیر کی مذہبی کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت کس کتاب کو حاصل ہوئی؟

(a) اجتہاد (b) مطالب القرآن (c) ادعیہ القرآن (d) ترجمۃ القرآن

4.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ نذیر احمد کے پہلے ناول پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ نذیر کے مضامین کے موضوعات بیان کیجیے۔

3۔ اپنے بیٹے کو خطوط لکھنے کے پیچھے نذیر کا کیا مقصد تھا؟

4۔ نذیر کے عمومی تراجم کا جائزہ لیجیے۔

5۔ نذیر احمد نے قانون کی کن کتابوں کے تراجم کیے۔

4.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ ڈپٹی نذیر احمد کی مذہبی تصانیف کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

2۔ نذیر احمد کے ناولوں کا احاطہ کیجیے۔

3۔ نذیر احمد کے خطبات اور خطوط پر ایک مفصل مضمون لکھیے۔

4.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	نذیر احمد: شخصیت اور کارنامے	اشفاق احمد اعظمی
2۔	نذیر احمد (مونو گراف)	جمیل اختر (اردو اکادمی)
3۔	لکچروں کا مجموعہ	ڈپٹی نذیر احمد
4۔	موعظ حسنہ (خطوط کا مجموعہ)	ڈپٹی نذیر احمد
5۔	مولوی نذیر احمد کے علمی مضامین	منشی عبدالرحمن شوق امرتسری

4.5.1 کے جوابات:

A-1	B-2	C-3	D-4	A-5
B-6	C-7	D-8	A-9	D-10

بلاک II : ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری

(’توبتہ النصوح‘ کے حوالے سے)

اکائی 5: ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 نذیر احمد کی ناول نگاری

5.3 اکتسابی نتائج

5.4 کلیدی الفاظ

5.5 نمونہ امتحانی سوالات

5.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

جب اردو ناول کی ابتدا کی بات ہوتی ہے تو ہمارے ذہن میں اولین ناول نگاروں میں نذیر احمد اور عبد الحلیم شرر کی تصویر آتی ہے۔ ان لوگوں نے پہلی مرتبہ ناول کو متعارف کرایا اور ان کے معاصرین نے اس صنف کو پروان چڑھایا۔ لیکن تاریخی اعتبار سے ڈپٹی نذیر احمد کو یہ فخر حاصل رہا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلی ایسی تخلیق پیش کی جس پر ناول کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اس اکائی میں آپ اردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری کا مطالعہ کریں گے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کے بارے میں جان سکیں۔
- ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں مسلم معاشرت کی عکاسی کو سمجھ سکیں۔
- ہندوستان بالخصوص شمالی ہند کے مسلم متوسط گھرانوں کی مستورات کی نفسیات اور ان کے خیالات کا جائزہ لے سکیں۔

5.2 نذیر احمد کی ناول نگاری

نذیر احمد کا سب سے پہلا ناول مراۃ العروس ہے، جو ان کی شہرت کا پہلا زینہ بھی ہے۔ فنی اعتبار سے اس میں کچھ خامیاں ہیں۔ لیکن نہ یہ داستان ہے اور نہ تمثیل۔ اسے اردو ناول کے نقش اول کی حیثیت سے قبول کر لیا جائے تو کوئی جھگڑا ہی نہیں رہ جاتا۔

نذیر احمد کے دوسرے ناول توبتہ النصوح، ابن الوقت، ایامیٰ، فسانہ مبتلا، رویائے صادقہ اور بنات النعش ہیں۔ بنات النعش کو مراۃ العروس کے دوسرے حصے کے طور پر نذیر احمد نے تصنیف کیا۔ ان تمام ناولوں میں نذیر احمد نے تاریخی شعور اور سماجی حقیقت نگاری کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے داستانی طرز فکر سے قطعہ نظر معاشرتی زندگی کی کچی اور چلتی پھرتی تصویر پیش کی۔ مافوق الفطری کرداروں، جادو ٹونا، طلسم تعویذ، جن، پری اور دیو کی تخیلی فضا سے انہوں نے اپنے ناولوں کو پاک رکھا۔ ان کے پلاٹ میں سادگی ضرور ہے لیکن تعویق و تحریک کی کمی کے باوجود وہ حقیقی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے نذیر احمد سرسید کی علی گڑھ تحریک کے ترجمان نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے عہد میں مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی حقیقت پسندانہ تعبیر و تفسیر میں بہت کامیاب ہیں۔ انہوں نے اصلاح معاشرہ کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر ناول نگاری کی، اس لیے ان کے ناولوں میں ایک خاص منطقی فکر، اصلاحی مزاج اور تبلیغی ذہن کار فرما ہے۔ ایک مخصوص معاشرے کی تہذیبی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی مسائل کی تصویر کشی اور تعمیر و اصلاح نذیر احمد کا مقصد فن تھا۔ زندگی اور فن کے اسی رابط و رشتہ کو انہوں نے اپنے ناولوں میں استواری اور توازن کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہی خصوصیتیں ان کی ناول نگاری کا افتخار و امتیاز ہیں۔

نذیر کے ناول کے کردار صاف طور پر دو تہذیبوں کے ٹکراؤ کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی ملک پر انگریزوں کے تسلط سے چھٹکارا چاہتے تھے اور اپنے اپنے طور پر تنظیمیں بنا رہے تھے جو عوام الناس کو بیدار کریں۔ غلامی کی لعنتوں سے روشناس کرائیں اور انگریزوں کے طور طریقوں، رہن سہن، کھانے پینے اور پوشاک کی خرابیوں کو بیان کر کے ان سے نفرت پیدا کرنے کی راہیں ہموار کریں۔ ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اپنے ناول انہیں مقاصد کو سامنے رکھ کر لکھے۔

مراۃ العروس اور فسانہ مبتلا (محصنات) میں عورتوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلم لڑکیوں کو اسلامی اور اخلاقی آداب سکھانے کی کوشش کی گئی اور مذہب کی روشنی میں ان کے فوائد سے آگاہ کیا گیا۔ عورتوں کا اصلی زیور کیا ہے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی۔ توبتہ النصوح ایک ایسے نوجوان کی داستان ہے جو راہ سے بھٹک گیا تھا، جس کے برے اثرات اس کے خاندان پر پڑنے لگے تھے لیکن محض اتفاق سے اس نے ایک عبرت ناک خواب دیکھا اور اپنے اعمال سے توبہ کر کے نئی زندگی شروع کرنے کا عہد کیا۔ اب تک وہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھر کے ماحول سے بے فکر تھا لیکن اس تبدیلی کے اوبعد گھر کے ماحول سے اس کی دلچسپی بڑھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے گھر کے سارے افراد مثالی کردار کے حامل ہو گئے۔

ابن الوقت ایک انگریزی زدہ چاپلوس انسان کی داستان پر مبنی ناول ہے۔ دوسرے ناولوں کی بہ نسبت اس کے کرداروں میں وسعت بھی ہے اور تنوع بھی۔ ناول کا ہیرو ابن الوقت ہے جو اپنے ایک انگری دوست کی روش کو اختیار کر کے نقلی انگریز بن جاتا ہے۔

مذہب سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی شرائط سے نہ صرف یہ کہ ناپسندیدگی ظاہر کرتا ہے بلکہ ان کی تحقیر بھی کرتا ہے۔ جتنے اوصاف اس کے بتائے گئے ہیں وہ بہتر ہونے کے بجائے قابل مذمت ہیں۔ چنانچہ اس کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے حجتہ الاسلام کا کردار کھڑا کیا گیا ہے، جو بے دینی سے نفرت اور مذہب پرستی کی تبلیغ کرتا ہے۔ مولانا اس کردار کے پردے میں خود نظر آتے ہیں اور اپنے سارے نظریات کو ایک ایک کر کے حجتہ الاسلام کی زبان سے ادا کرواتے ہیں۔ یہ ناول ایک طرح سے وعظ و پند کا پشتارہ بن گیا ہے۔ مکالمے طویل ہیں اور ناصحانہ اور واعظانہ انداز بیان رکھتے ہیں۔ ان سب خامیوں کے باوجود مولانا کا یہ واحد ناول ہے جس میں فنی نزاکتوں اور باریکیوں کا بڑی حد تک خیال رکھا گیا ہے۔

رویائے صادقہ بھی علمی مباحث پر مشتمل ہے اور اس میں مذہبی اصولوں کو مقررانہ انداز میں مکالمہ بند کرنے کی سعی ملتی ہے۔ اسی طرح مبتلا میں بھی واعظانہ انداز بیان قائم رکھا گیا ہے۔ اس میں مرکزی کردار اپنی بیوی سے غیر مطمئن ہو کر ایک بازاری عورت کے مکر و فریب میں پھنس جاتا ہے اور اسے اپنی منکوحہ بنالیتا ہے۔ لیکن اس عورت سے آسودگی کے بجائے ذہنی اذیتوں اور طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ عورت ہریالی کا کردار ایک طوائف کا ہے، جسے سب سے پہلے مولانا نے ہی اپنے ناول میں پیش کیا اور رسوا کے ناول امراؤ جان ادا کے لیے ایک موضوع پیدا کر دیا۔ اس کے کرداروں میں اخلاقی قدروں کی پامالی کی صفتوں کے باوصف زندگی اور زندہ رہنے کی کش مکش ملتی ہے۔ غیرت بیگم کا کردار خودداری اور حسد و تنگ دلی کی وجہ سے قاری کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہریالی میں طوائف ہوتے ہوئے بھی جو انسانیت، وفاشعاری اور شوہر پرستی پائی جاتی ہے اس سے مولانا کی طوائف کی نفسیات کے گہرے مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایامیٰ میں بیواؤں کی دوبارہ شادی کی تلقین و تبلیغ ہے۔ ہندو رسم و رواج سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے اشرافیہ نے بھی اپنی نوجوان بیواؤں کا دوبارہ نکاح ممنوع قرار دے دیا۔ حالانکہ خداوندی حکم ہے وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ یعنی اپنی بیواؤں کے نکاح کر دیا کرو لیکن سماجی اثرات نے اسے ایک گناہ قرار دے دیا۔ جوانی میں اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو زندگی بھر اسے بیوگی کا دکھ سہنا پڑتا ہے۔ ملنا جلنا، بولنا اچھے لباس پہننا بھی اسے نصیب نہیں۔ گھٹ گھٹ کر وہ ساری زندگی گزارنے اور اپنے ارمانوں کا خون کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اسلام سے قبل عربوں میں بھی یہ رسم جاری تھی۔ اسی لیے اس پر حکم امتناعی نافذ ہوا اور بیوہ کو بھی عام انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا حق ملا۔ لیکن ہندوستان میں یہ حق مسلم بیواؤں سے عمومی تو نہیں لیکن خصوصی طور پر چھن گیا اور اسلامی حکم پر ہمارے ملک کا سماج اور معاشرہ حاوی ہو گیا۔ مولانا نے اسی برائی کی طرف اپنے اس ناول میں خلوص کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد میں افسانہ نگاری کی بے پناہ صلاحیت تھی اور وہ قصوں میں دلچسپی قائم رکھنے کا بے پناہ ہنر جانتے تھے۔ ہر قصہ کی معمولی سے معمولی چیز پر بھی ان کی نظر رہتی تھی اور وہ اسے اپنے انداز بیان سے اہم بنا کر وہ پیش کرتے تھے۔ جذبات نگاری، واقعہ نگاری اور کردار نگاری کے لحاظ سے بھی نذیر احمد کا مقام بلند ہے۔ مردوں کے کرداروں میں مبتلا، حکیم، ابن الوقت، ظاہر دار بیگ اور حجتہ الاسلام کے کردار اپنے اندر بڑی توانائی رکھتے ہیں۔ اسی طرح نسوانی کرداروں میں ہریالی، اکبری، نعیمہ اور فہمیدہ کے کردار ناقابل فراموش ہیں۔

نذیر احمد نے اپنے نظریات کی تبلیغ واشاعت کے لیے ناول کا انتخاب تو کر لیا لیکن اس کی وجہ سے ان کا فن پوری طرح ابھر نہ سکا۔

ہر جگہ ان کا فن ان کے مقاصد کا پابند نظر آتا ہے۔ مکالمہ کی طوالت اور واعظانہ انداز بیان مکالمہ نگاری کی خوبیوں کو مجروح کرتی ہے۔ فضا بندی میں انہیں کمال حاصل ہے اور اسی طرح اپنے مقصد کے اظہار میں بھی، کیونکہ انہیں زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ ہر محل محاورہ اور روز مرہ کہاوتوں کے استعمال نے ان کی قوت تحریر میں ایک کمال پیدا کر دیا ہے۔ ان کے ہر ناول میں ان کا مقصد اور ان کا عقیدہ ناول نگاری کی فنی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور اسی لیے ان کے قصوں کے پلاٹ میں فطری ارتقا مفقود ہے۔ آیئے اب یکے بعد دیگرے ڈپٹی نذیر احمد کے تمام ناولوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

مراۃ العروس (1869)

مراۃ العروس اردو کا پہلا مکمل ناول سمجھا جاتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اس ناول کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا پیغام دیا اور گھریلو زندگی میں تعلیم، عقل مندی اور اچھے اخلاق کی اہمیت اجاگر کی۔ کہانی کا مرکزی موضوع دو بہنوں کی متضاد شخصیت اور ان کی شادی شدہ زندگی ہے۔ اس کا مرکزی کردار دو بہنیں اکبری اور اصغری ہیں۔ دونوں ایک ہی گھر میں پلی بڑھی ہیں مگر طبیعت اور عادات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اکبری خوبصورت، نازپروردہ اور لاپرواہ لڑکی ہے۔ اسے تعلیم و تربیت میں دلچسپی نہیں، کھیل تماشے، فضول خرچی اور غرور اس کی عادتوں میں شامل ہیں۔ گھر کے کام کاج میں بھی اس کی کوئی مہارت نہیں۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ دولت اور حسن ہی عورت کے لیے کافی ہیں۔ اس کے برعکس اصغری نہایت سمجھ دار، محنتی، تعلیم یافتہ اور خوش اخلاق ہے۔ وہ کم عمری سے ہی گھریلو کام کاج میں ماہر ہے، دوسروں کی مدد کرتی ہے اور دین و اخلاق کی پابند ہے۔

وقت گزرتا ہے اور دونوں کی شادیاں ہو جاتی ہیں۔ اکبری کی شادی ایک دولت مند مگر نیک دل شوہر سے ہوتی ہے لیکن اپنی نادانی اور فضول خرچی کی وجہ سے وہ شوہر اور سسرال کو ناخوش کر دیتی ہے۔ گھر کے معاملات سنبھالنے کے بجائے نوکروں پر انحصار کرتی ہے، کھانے پینے میں اسراف کرتی ہے اور شوہر کی عزت و محبت کو برقرار نہیں رکھ پاتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی مسائل اور بدنامی کا شکار ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اصغری کی شادی ایک اوسط حال مگر نیک اور تعلیم یافتہ نوجوان سے ہوتی ہے۔ اصغری اپنی سمجھ داری، اخلاق اور صبر کے باعث شوہر کے دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ وہ تھوڑے وسائل میں بھی گھر کو بہترین طریقے سے چلاتی ہے۔ بچوں کی تربیت پر توجہ دیتی ہے، شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک کرتی ہے اور سسرال کے دل جیت لیتی ہے۔ یوں اس کی زندگی سکون، عزت اور کامیابی کی مثال بن جاتی ہے۔

ناول میں ان دونوں بہنوں کی زندگی کے واقعات کے ذریعے یہ دکھایا گیا ہے کہ عورت کے لیے حسن یا دولت سب کچھ نہیں بلکہ اصل دولت تعلیم، عقل مندی اور اچھے اخلاق ہیں۔ اکبری کی ناکامی اور اصغری کی کامیابی کو سامنے رکھ کر مصنف نے پیغام دیا کہ لڑکیوں کی تعلیم اور گھریلو تربیت کس قدر ضروری ہے۔

مراۃ العروس اپنے وقت کا انقلابی ناول تھا کیونکہ اس میں پہلی مرتبہ گھریلو عورتوں کی زندگی اور ان کی تعلیم کو موضوع بنایا گیا۔ اس ناول نے اُس وقت کے معاشرے میں یہ شعور پیدا کیا کہ اگر عورت پڑھی لکھی اور تربیت یافتہ ہو تو نہ صرف اس کا اپنا گھر سنور سکتا ہے بلکہ

پوری قوم کی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔

بنات النعش (1872)

یہ ناول مراۃ العروس کے تین سال بعد شائع ہوا۔ یہ ناول بھی اردو کے ابتدائی اصلاحی ناولوں میں سے ہے۔ اس ناول میں ڈپٹی نذیر احمد نے عورتوں کی جہالت، فضول رسم ورواج اور غیر ذمہ دار رویّے کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے ذریعے یہ پیغام دیا گیا کہ تعلیم اور سلیقہ نہ ہو تو عورت صرف اپنی زندگی ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کو تباہی کی طرف لے جا سکتی ہے۔

کہانی کا مرکزی کردار ایک دولت مند گھرانے کی عورت مہرو ہے، جو ظاہری زیب وزینت، غرور اور دکھاوے کی زندگی گزارتی ہے۔ اسے پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں، نہ گھریلو کام کاج کا علم ہے، اور نہ ہی شوہر اور بچوں کے حقوق کی پروا۔ وہ سمجھتی ہے کہ دولت اور شان و شوکت ہی سب کچھ ہیں۔

مہرو کی چار بیٹیاں ہیں، جو اپنی ماں کی تربیت کے زیرِ اثر پلتی ہیں۔ ماں چونکہ فضول خرچ، خود پسند اور تعلیم سے عاری ہے، اس لیے بیٹیوں میں بھی وہی عادات پروان چڑھتی ہیں۔ بیٹیاں نہ تو دین واخلاق کو اپناتی ہیں اور نہ ہی گھریلو زندگی کے تقاضے سمجھتی ہیں۔ وہ شادی بیاہ اور میلوں ٹھیلوں کی رسموں، کپڑوں اور زیورات میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ جب ان بیٹیوں کی شادیاں ہوتی ہیں تو مسائل کھل کر سامنے آتے ہیں۔ شوہر ان کی نادانی اور نااہلی سے عاجز آجاتے ہیں۔ بیٹیاں نہ تو شوہروں کا ساتھ نبھا پاتی ہیں اور نہ ہی گھر کو سنبھال سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ایک ایک کر کے ذلت ورسوائی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کوئی میکے آکر بیٹھی رہتی ہے، کوئی طلاق کا سامنا کرتی ہے، اور کوئی شوہر کے گھر میں بے عزتی کی زندگی گزارتی ہے۔

ناول کا عنوان بنات النعش بھی علامتی ہے۔ یہ عربی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے "جنازے کے ساتھ جانے والی عورتیں۔" اس سے مراد یہ ہے کہ نااہل عورتیں اپنے گھرانے کے لیے جنازے کی طرح نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اس عنوان کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی کہ تعلیم وتربیت کے بغیر لڑکیاں اپنی اور دوسروں کی زندگیاں برباد کر دیتی ہیں۔

کہانی میں یہ پیغام بھی شامل ہے کہ عورت اگر پڑھی لکھی ہو، دین واخلاق کی پابند ہو اور سلیقے سے زندگی گزارے تو گھر سکون و عزت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ جہالت اور فضول رسموں کی بھینٹ چڑھ جائے تو پورے خاندان کو تباہی میں دھکیل دیتی ہے۔

ناول کا اختتام نہایت سبق آموز ہے۔ مہرو اپنی بیٹیوں کے انجام کو دیکھ کر شرمندہ اور پشیمان ہوتی ہے۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ اگر اس نے اپنی بچیوں کو تعلیم دلائی ہوتی اور ان کی صحیح تربیت کی ہوتی تو آج ان کی زندگیاں کامیاب اور خوش حال ہوتیں۔ لیکن اب وقت گزر چکا ہوتا ہے اور پچھتاوے کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

توبتہ النصوح (1877)

ڈپٹی نذیر احمد کا ناول توبتہ النصوح اردو کے اولین اصلاحی ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں ایک ایسے شخص کی کہانی بیان کی گئی ہے جو دنیاوی لذتوں میں کھو کر دین واخلاق سے غافل ہو جاتا ہے، لیکن ایک خواب اور بصیرت کے ذریعے توبہ کرتا ہے اور اپنی زندگی کو اسلامی

اصولوں کے مطابق ڈھالتا ہے۔

کہانی کا مرکزی کردار نصوح ہے۔ نصوح ایک متوسط طبقے کا شخص ہے جو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ معمولی مگر آرام دہ زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ بظاہر وہ نمازی اور دین دار دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کی زندگی میں دکھاوا اور ریاکاری شامل ہوتی ہے۔ اس کا دل دنیا کی آسائشوں، دولت اور فخر میں الجھا رہتا ہے۔ اہلِ خانہ بھی دین و اخلاق سے دور ہیں، گھر کے معاملات میں بے ترتیبی اور فضول خرچیاں ہیں۔

ایک دن نصوح سخت بیمار پڑ جاتا ہے۔ مرض اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ لوگ اسے نزع کی حالت میں سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ ایک خوفناک خواب دیکھتا ہے۔ خواب میں وہ قیامت کا منظر دیکھتا ہے کہ میدانِ محشر ہے، لوگ اپنے اعمال کے حساب کے لیے کھڑے ہیں۔ نصوح بھی لوگوں کے ساتھ کھڑا ہے مگر اس کا نام نیک لوگوں میں شامل نہیں ہوتا۔ فرشتے اس کے گناہوں کی کتاب دکھاتے ہیں۔ وہ سخت خوف زدہ ہو جاتا ہے، جہنم کے عذاب اور ذلت ناک انجام کو قریب دیکھ کر کانپنے لگتا ہے۔ اسی گھبراہٹ میں وہ اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ اگر دوبارہ زندگی ملی تو وہ سچی توبہ کرے گا اور اپنے اعمال درست کرے گا۔

خواب سے بیدار ہونے کے بعد نصوح کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اب وہ سچی توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ کو بھی جمع کرتا ہے اور انہیں زندگی کی حقیقت سمجھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت عارضی ہے، اصل کامیابی آخرت کی ہے۔ وہ اپنے بچوں اور بیوی کو سمجھاتا ہے کہ نماز قائم کریں، جھوٹ اور فضول خرچی چھوڑ دیں، تعلیم و اخلاق کو اپنائیں اور شریعت کے مطابق زندگی گزاریں۔ نصوح خود بھی اپنی عادات و اطوار بدل لیتا ہے۔ اب وہ ایمانداری، سادگی اور نیک اعمال کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اس کے گھر میں خوش اخلاقی، دینی تعلیم اور باہمی احترام پروان چڑھنے لگتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچے بھی اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یوں پورا گھر ایک نیک اور صالح خاندان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ناول میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ سچی توبہ انسان کی زندگی کو کیسے بدل سکتی ہے۔ نصوح کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو پہلے گمراہی میں تھا لیکن اللہ نے اسے موقع دیا اور اس نے اسے غنیمت جانا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی دنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی کامیاب ہو گئی۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اس ناول کے ذریعے معاشرے کے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی کوشش کی۔ اس دور میں تعلیم کی کمی، فضول خرچی، مغربی تہذیب کی نقالی اور دینی غفلت عام تھی۔ مصنف نے نصوح کے کردار کے ذریعے پیغام دیا کہ اگر انسان خلوص دل سے توبہ کرے تو اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور ایک بگڑا ہوا خاندان بھی نیکی و بھلائی کی راہ پر آ سکتا ہے۔

فسانۂ مبتلا (1885)

فسانۂ مبتلا ڈپٹی نذیر احمد کا ایک اور اصلاحی ناول ہے جس میں انہوں نے عورتوں کی تعلیم، گھریلو زندگی کی تنظیم اور تربیت کی اہمیت کو موضوع بنایا۔ اس ناول میں بھی دو متضاد کرداروں کے ذریعے یہ دکھایا گیا ہے کہ عقل، تدبیر اور تعلیم سے انسان کامیاب ہوتا ہے جبکہ نادانی، ضد اور لاپرواہی بربادی کا سبب بنتی ہے۔

کہانی کا مرکزی کردار زاہدہ نامی ایک سمجھ دار اور نیک لڑکی ہے، جو تعلیم یافتہ، محنتی اور اخلاقی خوبیوں سے مزین ہے۔ اس کے

مقابلے ایک اور لڑکی قدسیہ ہے، جو ضدی، لاپرواہ اور دکھاوے کی زندگی گزارنے والی ہے۔ دونوں کی زندگی کے واقعات کے ذریعے مصنف نے معاشرتی سبق دیا ہے۔ ناول کا آغاز گھریلو زندگی سے ہوتا ہے جہاں یہ دکھایا گیا ہے کہ والدین اپنی بچیوں کی تربیت میں کس طرح غفلت کرتے ہیں۔ زاہدہ کو شروع سے ہی تعلیم اور سلیقے کی تربیت دی گئی ہے، اس لیے وہ زندگی کے معاملات کو بہتر طور پر سمجھتی ہے۔ وہ مشکل حالات میں بھی صبر اور حکمت سے کام لیتی ہے۔ دوسری طرف قدسیہ کو نہ تو تعلیم دی گئی اور نہ ہی گھرداری سکھائی گئی۔ وہ اپنی مرضی اور فضول رسموں کی دلدادہ ہے، اسی وجہ سے عملی زندگی میں ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے۔

دونوں لڑکیوں کی شادیاں ہو جاتی ہیں۔ زاہدہ کی شادی ایک نیک اور شریف نوجوان سے ہوتی ہے۔ زاہدہ اپنی عقل مندی اور اخلاق کے ذریعے شوہر کا دل جیت لیتی ہے، سسرال میں سب کو خوش رکھتی ہے اور محدود وسائل میں بھی خوش گوار زندگی گزارتی ہے۔ یوں اس کی ازدواجی زندگی کامیابی اور سکون کی مثال بن جاتی ہے۔

دوسری طرف قدسیہ کی شادی ایک مالدار گھرانے میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کی ناسمجھی، ضد، لاپرواہی اور فضول خرچی کی وجہ سے حالات بگڑ جاتے ہیں۔ وہ شوہر کی عزت و محبت کھو دیتی ہے، سسرال والے بھی اس سے تنگ آ جاتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی ناکامی اور ذلت کا شکار ہو جاتی ہے۔ ناول کے واقعات کے ذریعے مصنف نے یہ سبق دیا ہے کہ عورت کی کامیابی صرف حسن یا دولت سے نہیں بلکہ تعلیم، اخلاق اور سلیقہ شعاری سے ممکن ہے۔ ایک عورت اگر سمجھ دار اور نیک ہو تو وہ پورے گھر کو جنت بنا سکتی ہے، اور اگر ضدی اور ناسمجھ ہو تو دولت اور آسائشوں کے باوجود بھی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

فسانۂ مبتلا اپنے دور کا ایک نہایت اہم اصلاحی ناول تھا۔ اس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ لڑکیوں کی تعلیم محض رسمی نہیں بلکہ عملی اور اخلاقی ہونی چاہیے تاکہ وہ شادی کے بعد اپنی گھریلو زندگی بہتر طور پر چلا سکیں۔ ناول نے خواتین کو یہ پیغام دیا کہ وہ سادگی، صبر اور علم کے ذریعے ہی عزت و وقار حاصل کر سکتی ہیں۔

ابن الوقت (1888)

ڈپٹی نذیر احمد کا ناول ابن الوقت اردو ادب میں ایک اہم اصلاحی و تہذیبی ناول سمجھا جاتا ہے۔ یہ ناول انیسویں صدی کے اُس دور کو پیش کرتا ہے جب ہندوستانی معاشرہ انگریزی حکومت اور مغربی تہذیب کے اثرات سے دوچار تھا۔ مصنف نے اس کہانی کے ذریعے دکھایا کہ کس طرح اندھی تقلید انسان کی شخصیت اور اس کے معاشرتی رشتوں کو بگاڑ دیتی ہے۔

کہانی کا مرکزی کردار ابن الوقت ہے۔ وہ ایک خوش حال اور معزز شخص ہے جو معاشرے میں اچھے مقام پر ہوتا ہے۔ شروع میں وہ اپنی قوم، مذہب اور روایات سے جڑا ہوا ہے۔ مگر ایک واقعے کے بعد اس کی سوچ میں زبردست تبدیلی آتی ہے۔ ایک دن دہلی میں ہنگامے اور بدامنی کے دوران ابن الوقت پر حملہ ہوتا ہے۔ اس وقت ایک انگریز افسر اس کی مدد کرتا ہے اور اسے موت سے بچا لیتا ہے۔ یہ احسان ابن الوقت پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کی مکمل حمایت اور وفاداری اختیار کر لیتا ہے۔

ابن الوقت سوچتا ہے کہ قوم کی ترقی اور عزت اسی میں ہے کہ ہم انگریزوں کی تہذیب، زبان اور طور طریقے اپنائیں۔ وہ مغربی

لباس پہنتا ہے، انگریزی کھانے کھاتا ہے، انگریز افسران کی مجلسوں میں شریک ہوتا ہے اور اپنے خاندان کو بھی انہی رسم ورواج پر چلانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے برعکس وہ اپنی قوم کی قدیم روایات اور اسلامی تعلیمات کو فراموش کرنے لگتا ہے۔

شروع میں لوگ اس کی دولت اور انگریزوں سے تعلقات کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں، مگر جلد ہی اس کے کردار کی حقیقت سامنے آتی ہے۔ معاشرے میں اسے "قوم فروش" اور "غیرت سے عاری" کہا جانے لگتا ہے۔ اس کے رشتہ دار اور دوست بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں۔ یوں وہ اپنے ہی ماحول میں اجنبی بن جاتا ہے۔

ابن الوقت یہ سمجھتا ہے کہ وہ زمانے کے ساتھ چل رہا ہے، مگر حقیقت میں وہ اپنی شناخت کھو رہا ہوتا ہے۔ انگریز بھی اسے مکمل طور پر قبول نہیں کرتے۔ وہ اسے ایک تابع اور چاپلوس انسان سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ دوسری طرف اس کی قوم کے لوگ اسے غدار سمجھتے ہیں۔ یوں وہ دونوں طرف سے بے عزتی کا شکار ہوتا ہے۔

ناول کے آخر میں ابن الوقت کو احساس ہوتا ہے کہ اس نے اندھی تقلید کے چکر میں اپنی عزت، وقار اور مذہبی جڑیں کھو دی ہیں۔ مگر اب اس کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر اس نے اپنی تہذیب اور دین کو چھوڑے بغیر انگریزوں سے اچھی چیزیں اپنائی ہوتیں تو شاید وہ خود بھی کامیاب رہتا اور قوم کے لیے بھی مفید ثابت ہوتا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اس کہانی کے ذریعے یہ سبق دیا کہ مغربی تہذیب کی اچھی باتیں ضرور اپنانی چاہئیں، مگر اپنی تہذیب، دین اور اخلاقیات کو ترک کردینا دانش مندی نہیں۔ اصل ترقی اس وقت ممکن ہے جب انسان اپنی بنیادوں کو قائم رکھتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق علم وہنر حاصل کرے۔

ایامیٰ (1891)

ڈپٹی نذیر احمد کا ناول ایامیٰ بھی ان کے دوسرے اصلاحی ناولوں کی طرح معاشرتی مسائل اور گھریلو زندگی کے پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ "ایام" کے معنی ہیں زندگی کے دن۔ اس ناول میں مصنف نے انسانی زندگی کے مختلف مدارج، گھریلو تربیت، تعلیم، اخلاقیات اور عورت کے کردار کو مرکزی حیثیت دی ہے۔

کہانی ایک ایسے گھرانے کے گرد گھومتی ہے جس میں تعلیم اور تربیت کی کمی کے باعث کئی مسائل جنم لیتے ہیں۔ ناول میں کئی کردار آتے ہیں مگر بنیادی طور پر یہ ایک گھرانے کی روزمرہ زندگی، اس کی خوشیاں، دکھ، غلطیاں اور اصلاحی پہلوؤں کا عکاس ہے۔

مرکزی کرداروں میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، لیکن اصل زور عورت کی تربیت پر دیا گیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اس ناول کے ذریعے یہ دکھایا کہ اگر عورت پڑھی لکھی اور باشعور ہو تو وہ شوہر اور بچوں کی زندگی کو بہتر بنا سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ نادان، ضدی اور تعلیم سے محروم ہو تو پورا گھر برباد ہو جاتا ہے۔ ناول میں مختلف واقعات کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک عورت کی سلیقہ شعاری اور محنت گھر کو سکون اور عزت کا گہوارہ بنا دیتی ہے۔ دوسری طرف فضول خرچی، انا پرستی اور جہالت کی وجہ سے گھر کے تعلقات بگڑ جاتے ہیں۔

ایامیٰ میں شادی بیاہ کی رسومات، گھریلو جھگڑے، تعلیم کی کمی، عورت کی ناسمجھی، والدین کی ذمہ داریاں اور بچوں کی تربیت جیسے

موضوعات کو کہانی کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں وہ تمام پہلو شامل ہیں جو انیسویں صدی کے مسلم گھرانوں میں پائے جاتے تھے۔

ناول کے کرداروں کے ذریعے ایک طرف کامیاب اور سکون بھری زندگی کی مثالیں ملتی ہیں، اور دوسری طرف ناکامی اور بربادی کی تصویریں بھی۔ یوں قاری کے سامنے ایک آئینہ آجاتا ہے جس میں وہ اپنی ذات اور اپنے گھر کی جھلک دیکھ سکتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے ایامیٰ میں یہ بھی دکھایا ہے کہ زندگی کے دن بڑے مختصر ہیں، اس لیے انہیں فضول رسم و رواج اور انا کی نذر کرنے کے بجائے تعلیم، نیک عمل اور اچھے اخلاق میں گزارنا چاہیے۔ یہ ناول عام قاری کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ اگر زندگی کے دن ضائع کر دیے جائیں تو آخرت اور دنیا دونوں ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔

ناول کا اختتام اصلاحی پیغام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی اصل کامیابی دنیاوی شان و شوکت میں نہیں بلکہ دین، علم اور کردار کی مضبوطی میں ہے۔ عورت اگر باشعور ہو تو نسلوں کو کامیاب بنا سکتی ہے، اور اگر نادان ہو تو سب کچھ تباہ کر سکتی ہے۔

رویائے صادقہ (1894)

رویائے صادقہ ڈپٹی نذیر احمد کا ایک اہم اصلاحی ناول ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، "رویائے صادقہ" کا مطلب ہے سچا خواب۔ اس ناول میں مصنف نے خواب کو کہانی کا مرکزی وسیلہ بنایا ہے اور اس کے ذریعے دینی و اخلاقی سبق قاری تک پہنچایا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک عام مسلمان شخص ہے جو اپنی زندگی میں دنیاداری اور غفلت میں مبتلا ہے۔ وہ بظاہر نیک دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے عمل اور عادات اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوتیں۔ وہ نماز میں کوتاہی کرتا ہے، فضول خرچی، ریاکاری اور معاشرتی بے اعتدالیوں کا شکار ہے۔ ایک رات وہ شخص ایک عجیب اور خوفناک خواب دیکھتا ہے۔ خواب میں وہ قیامت کا منظر دیکھتا ہے۔ لوگ میدانِ محشر میں اپنے اعمال کے حساب کے لیے کھڑے ہیں۔ نیکوکار خوش ہیں اور گناہگار سخت گھبراہٹ میں مبتلا ہیں۔ فرشتے اعمال نامے لے کر آتے ہیں۔ جب اس کے اعمال نامے کی باری آتی ہے تو اسے اپنی زندگی کے گناہ نظر آتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا میں کی گئی کوتاہیاں اور لغزشیں کتنی بڑی سزا کا سبب بن سکتی ہیں۔ جہنم کا عذاب قریب محسوس ہوتا ہے اور وہ سخت خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

اسی گھبراہٹ کے عالم میں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اگر اسے دوبارہ دنیا میں لوٹنے کا موقع ملا تو وہ سچی توبہ کرے گا اور اپنی زندگی کو دین کے مطابق ڈھالے گا۔ خواب کی شدت اور منظر کی سچائی اس پر اس قدر اثرانداز ہوتی ہے کہ وہ کانپتے ہوئے بیدار ہو جاتا ہے۔ بیداری کے بعد اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ خواب محض خیال نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے۔ وہ سچی توبہ کرتا ہے اور اپنے اعمال درست کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اب وہ نماز پابندی سے پڑھتا ہے، فضول خرچی اور دکھاوے کو چھوڑ دیتا ہے، سچائی، دیانت داری اور نیکی کے راستے پر چلنے لگتا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں کو بھی جمع کرتا ہے اور انہیں سمجھاتا ہے کہ دنیا فانی ہے، اصل کامیابی آخرت کی نجات میں ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے گھر کا ماحول بھی بدلنے لگتا ہے۔ بیوی اور بچے بھی دین و اخلاق پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ یوں ایک فرد کی اصلاح پورے خاندان کی اصلاح کا سبب بنتی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اس ناول کے ذریعے یہ سبق دیا کہ خواب بھی انسان کی زندگی میں اصلاح کا ذریعہ بن سکتے ہیں، خاص طور پر وہ

خواب جو انسان کو اپنے اعمال پر غور کرنے پر مجبور کریں۔ رویائے صادقہ محض ایک کہانی نہیں بلکہ ایک آئینہ ہے جس میں قاری اپنی غفلت اور کوتاہیوں کو پہچان سکتا ہے۔

5.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ وہ سر سید کے رفیق خاص تھے اور علی گڑھ تحریک ان کی تخلیقات میں اصلاحی پہلو کو اجاگر کرنے کا باعث بنی۔
- ان کے بچوں کی تعلیم کے زمانے میں ایسی کتابیں دستیاب نہیں تھیں جو بچوں کے لیے دلچسپ اور مفید ہوں لہٰذا انہوں نے اپنی بڑی بیٹی کے لیے "مراۃ العروس"، چھوٹی بیٹی کے لیے "منتخب الحکایات" اور بیٹے کے لیے "چند بند" لکھی۔ یہ کتابیں یک بارگی نہیں لکھی گئیں بلکہ ان کی تدریس کے اعتبار سے ہر روز آدھا یا ایک صفحہ لکھ کر دے دیا کرتے تھے۔
- ڈپٹی نذیر احمد کا پہلا ناول مراۃ العروس پہلی بار 1869 میں شائع ہوا۔ یہ ایک اصلاحی ناول ہے جس کا موضوع لڑکیوں کی تربیت ہے۔ اس میں اکبری اور اصغری نامی دو بہنوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔
- نذیر احمد کا دوسرا ناول بنات النعش خانہ داری کی تربیت اور اخلاقی تعلیم سے متعلق ہے۔ یہ ناول پہلے ناول کی اشاعت کے تین سال بعد 1872 میں شائع ہوا۔ اس کا مرکزی کردار حسن آرا ہے۔ جو مراۃ العروس کے کردار اصغری کے قائم کردہ اسکول میں تعلیم حاصل کر کے کامیابی حاصل کرتی ہے، اس طرح اس ناول کو پہلے ناول کا تسلسل بھی کہا جا سکتا ہے۔
- تیسرا ناول توبتہ النصوح اولاد کی تربیت سے متعلق ہے۔ اس کا مرکزی کردار نصوح ہے۔
- چوتھا ناول فسانہ مبتلا 1885 میں شائع ہوا۔ اس میں ایک سے زیادہ شادی کے نقصانات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کا کردار مبتلا ہے۔
- ابن الوقت کا مرکزی کردار انگریزوں کی نقل کرتا ہے اور اپنے بھائی حجتہ الاسلام کے سمجھانے پر بھی باز نہیں آتا ہے۔
- ناول ایامیٰ کا موضوع عقد ثانی ہے۔ اس کا مرکزی کردار آزادی بیگم جوانی میں بیوہ ہو جاتی ہے اور تمام عمر بیوگی کا درد سہتی ہے۔ مرنے سے پہلے وہ بیواؤں کی حالت زار پر ایک دردناک تقریر کرتی ہے۔
- نذیر احمد کا آخری ناول رویائے صادقہ ہے۔ اس کا مرکزی کردار صادقہ ہے۔ وہ جو بھی خواب دیکھتی ہے وہ سچ ثابت ہوتے ہیں۔
- ڈپٹی نذیر احمد کے تمام ناولوں میں اصلاح کا جذبہ کارفرما ہے۔ ہر ناول کے سرورق پر اس کا مقصد بیان کر دیا گیا ہے۔ نذیر احمد کے تمام ناولوں کے کردار اسم بہ مسمیٰ ہیں۔ مثلاً مراۃ العروس میں بڑی بہن کا نام اصغری اور چھوٹی کا نام اصغری ہے۔ توبتہ النصوح میں نصوح کا کردار، فسانہ مبتلا میں مبتلا، ابن الوقت بھی موقع کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ رویائے صادقہ کی صادقہ کا خواب حقیقت ہو جاتا ہے اور آخر کار اس کا نکاح صادق سے ہوتا ہے۔
- نذیر کے ناول اصلاحی ہونے کی وجہ سے حقیقت سے بہت قریب ہیں۔ وہ اپنے ناول میں واقعات کو اس انداز میں تحریر کرتے ہیں

کہ لوگوں کو ان کے حقیقی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اکبری اور اصغری کے قصے کو بھی لوگ حقیقت خیال کرتے تھے۔

- کردار نگاری اور حقیقت نگاری کے مقابلے نذیر احمد کے ناول پلاٹ کے اعتبار سے کمزور معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے داستانوں کے نمونے تھے اور ان کا تبلیغی مشن ان کے مربوط پلاٹ کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا تھا۔ تاہم فسانہ مبتلا اور ایامیٰ کے پلاٹ میں باقی ناولوں کے مقابلے میں اچھا نظم وضبط پایا جاتا ہے۔
- ڈپٹی نذیر احمد انسانی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے کس کردار کی زبان سے کیا بات کہلوانی ہے، یہ وہ بخوبی جانتے تھے۔ ان کے ناول میں ہر طبقے کی زبان کی عکاسی ملتی ہے۔

5.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
معاصرین	ایک ہی دور میں رہنے والے	مجروح	زخمی، دکھ پہنچا ہوا
اطلاق	لاگو کرنا	یکے بعد دیگرے	ایک کے بعد ایک
تخیئلی	خیالی، تصوراتی	حسنِ سلوک	اچھا برتاؤ، نیک برتاؤ
افتخار	فخر، ناز	بھینٹ	نذر، قربانی
ہموار	برابر، سیدھا، آسان	ریاکاری	دکھاوا، بناوٹ
تحقیر	توہین، بے عزتی	مزین	آراستہ، سجایا ہوا
پشتارہ	گٹھری، بوجھ، مجموعہ	اندھی تقلید	سوچے بغیر پیروی
سعی	کوشش، جدوجہد	ترغیب	شوق دلانا، رغبت پیدا کرنا
پامالی	روندنا، تباہی	گہوارہ	جھولا، آغاز یا پرورش کی جگہ
تلقین و تبلیغ	نصیحت اور دین کی تبلیغ	لغزش	پھسل جانا، غلطی
اشرافیہ	اعلیٰ طبقہ، معزز لوگ	تنبیہ	متنبہ کرنا، خبردار کرنا
حکمِ امتناعی	روکنے کا حکم، ممانعت	سلیقہ شعاری	خوبی سے کام کرنے کی عادت

5.5 نمونہ امتحانی سوالات

معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کا سب سے پہلا ناول کون سا ہے؟

(A) توبتہ النصوح (B) مراۃ العروس

(C) ابن الوقت (D) بنات النعش

2۔ بنات النعش کو نذیر احمد نے کس ناول کے دوسرے حصے کے طور پر لکھا؟

(A) توبتہ النصوح (B) فسانہ مبتلا

(C) مراۃ العروس (D) ایامیٰ

3۔ نذیر احمد کے ناولوں کی سب سے نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

(A) جادو اور طلسم کا بیان (B) تاریخی کرداروں کا استعمال

(C) معاشرتی حقیقت نگاری (D) تخیلاتی داستان

4۔ توبتہ النصوح کا مرکزی کردار کون ہے؟

(A) ابن الوقت (B) نصوح

(C) مہرو (D) زاہدہ

5۔ ابن الوقت ناول کا مرکزی موضوع کیا ہے؟

(A) بیواؤں کی شادی (B) اندھی مغربی تقلید

(C) عورتوں کی تعلیم (D) مذہبی اصلاح

6۔ نذیر احمد کے کس ناول میں بیواؤں کی شادی کی تبلیغ کی گئی ہے؟

(A) ایامیٰ (B) ابن الوقت

(C) توبتہ النصوح (D) مراۃ العروس

7۔ نذیر احمد کے ناول "توبتہ النصوح" میں نصوح کی اصلاح کا سبب کیا بنا؟

(A) حج کا سفر (B) ایک خوفناک خواب

(C) بیٹے کی موت (D) غربت

8۔ "مراۃ العروس" کا اصل پیغام کیا ہے؟

(A) دولت ہی عورت کی کامیابی ہے (B) حسن اور رعنائی سب کچھ ہے

(C) تعلیم، عقل اور اخلاق عورت کا زیور ہیں (D) عورت کو آزادی ہونی چاہیے

9۔ نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں کن عناصر سے پرہیز کیا؟

(A) مذہبی مسائل (B) جادو، پری، دیو اور طلسم

(C) اصلاحی موضوعات (D) مکالماتی بیانات

10۔ "ایامیٰ" ناول میں مصنف نے کس سماجی برائی کی طرف توجہ دلائی؟

(A)	جہیز	(B)	بیواؤں کی شادی پر پابندی
(C)	طلاق کا مسئلہ	(D)	انگریزی تعلیم

مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ "مراۃ العروس" میں اکبری اور اصغری کے کرداروں سے مصنف نے کیا پیغام دیا؟
2۔ نذیر احمد کو اردو ناول کا بانی کیوں کہا جاتا ہے؟
3۔ نذیر احمد کے ناولوں میں اصلاحِ معاشرہ کا تصور کس طرح نمایاں ہوتا ہے؟
4۔ ناول "توبتہ النصوح" میں نصوح کے کردار کی تبدیلی کس طرح پیش کی گئی ہے؟
5۔ "ابن الوقت" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نذیر احمد کے ناولوں میں "اصلاحِ معاشرہ" کا تصور تفصیل سے بیان کیجیے۔
2۔ نذیر احمد کی ناول نگاری کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
3۔ "مراۃ العروس" اور "بنات النعش" کو نذیر احمد کے نسوانی کرداروں کی اصلاحی تربیت کے دو اہم مرحلے کہا جا سکتا ہے۔" اس خیال کی وضاحت کیجیے۔

5.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	نذیر احمد کی ناول نگاری	انیس ناگی
2۔	کلیات ڈپٹی نذیر احمد	کتابی دنیا، نئی دہلی
3۔	اردو ناول کی تاریخ اور تنقید	علی عباس حسینی

5.5.1 کے جوابات:

1۔ B	2۔ C	3۔ C	4۔ B	5۔ B
6۔ A	7۔ B	8۔ C	9۔ B	10۔ B

اکائی 6: ناول ”توبتہ النصوح“ کا موضوعاتی مطالعہ

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید
6.1 مقاصد
6.2 ناول ”توبتہ النصوح“ کا موضوعاتی مطالعہ
6.2.1 فصل اول
6.2.2 فصل دوم
6.2.3 فصل سوم
6.2.4 فصل چہارم
6.2.5 فصل پنجم
6.2.6 فصل ششم
6.2.7 فصل ہفتم
6.2.8 فصل ہشتم
6.2.9 فصل نہم
6.2.10 فصل دہم
6.2.11 فصل یازدہم
6.2.12 فصل دوازدہم
6.3 اکتسابی نتائج
6.4 کلیدی الفاظ
6.5 نمونۂ امتحانی سوالات
6.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
6.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
6.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

ناول انگریزی زبان سے اردو زبان میں متعارف ہوا۔ لفظ ناول اطالوی زبان کے لفظ "ناویلا" سے مستعار ہے جس کے معنی "نیا" کے ہیں۔ اردو میں اس کے آغاز کے سلسلے میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں اور سنہ 1869 میں لکھی ہوئی ان کی تصنیف "مراۃ العروس" اردو کا پہلا ناول ہے۔ اس کے بعد نذیر احمد کے یکے بعد دیگرے چھ اور ناول منظر عام پر آئے ہیں۔ ان تمام ناولوں کے موضوعات اصلاحی پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔

"توبتہ النصوح" ڈپٹی نذیر احمد کا تیسرا ناول ہے، جو 1877 میں شائع ہوا۔ اس ناول کو انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت کی غرض سے لکھا تھا۔ اس ناول میں اس بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ بچوں کی پرورش میں محض تعلیم کی ہی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ تربیت کا بھی اہم رول ہوتا ہے۔ اسی موضوع پر یہ ناول قلم بند کیا گیا ہے۔ اس اکائی میں ہم ناول میں پیش کیے گئے انہیں موضوعات کا تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کے موضوعات پر تبصرہ کر سکیں۔
- ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "ت وبۃ النصوح" کا موضوعاتی جائزہ پیش کر سکیں۔
- ناول "توبتہ النصوح" میں شامل مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی پہلوؤں سے روشناس ہو سکیں۔

6.2 ناول "توبتہ النصوح" کا موضوعاتی مطالعہ

ڈپٹی نذیر احمد کے نوکِ قلم سے نکلے ہوئے ساتوں ناولوں کا تعلق کسی نہ کسی معاشرتی مسئلہ سے ہے، جس کی اصلاح کے وہ خواہاں تھے۔ ان کا تیسرا ناول "توبتہ النصوح" 1877ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول خاص کا موضوع اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت ہے۔ نذیر احمد نے والدین کو اولاد کی پرورش، تہذیب و تربیت، اخلاق کی درستی، خیالات و معتقدات کی اصلاح کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ وہ خود اس ناول کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> "اس کتاب کے تصنیف کرنے سے مقصودِ اصلی یہ ہے کہ اس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً لوگوں سے واقع ہو رہی ہے، اس کی اصلاح ہو اور ان کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا، روٹی کمانے کا کوئی ہنر ان کو سکھا دیا، ان کا بیاہ برات کر دیا بلکہ ان کے اخلاق کی تہذیب، ان کے مزاج کی

اصلاح، ان کے عادات کی درستی، ان کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض ہے۔"

نذیر احمد کے یہاں اس موضوع کی بہت اہمیت تھی۔ وہ دیباچہ کے اخیر میں لکھتے ہیں:

"تربیت اولاد جس پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، ایک شعبہ ہے، اس عام انسانی ہمدردی اور نفع رسانی کا جو ہر فرد بشر پر اس کی استطاعت کی قدر واجب ہے۔ اس خصوص میں جتنی غفلت اور بے پروائی ہمارے ہم وطنوں سے ہوتی ہے اصلی باعث اس ملک کے تنزل کا ہے۔"

ڈپٹی نذیر احمد اولاد کے اخلاق و اطوار کا ذمہ دار والدین کو قرار دیتے ہیں کہ وہ بچوں کے سامنے مثال اور نمونہ نہیں پیش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور ایسے والدین صرف بچوں کا مستقبل ہی برباد نہیں کرتے ہیں بلکہ ملک و قوم کے لیے گڑھے کھودنے کا کام بھی کرتے ہیں۔ یہی نونہال بڑے ہو کر نااہل اور ناکارہ بن جاتے ہیں۔ وہ خود کے لیے کچھ نہیں کر سکتے ہیں تو ملک و قوم کے لیے کیا خاک کریں گے۔

ناول "توبۃ النصوح" تربیت اولاد کے علاوہ کئی مختلف موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اگرچہ تربیت اولاد میں وہ سارے موضوعات شامل ہیں۔ اس ناول کا آغاز ہی مواخذۂ عاقبت جیسے اہم موضوع سے ہوتا ہے۔ انہوں نے خواب کے بیان سے اس اہم موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان صفحات میں پوری زندگی کے نچوڑ کو بیان کر دیا ہے۔ محاسبہ کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

"ہم نے تجھ کو دنیا میں بھیجتے وقت کیا تاکید کی تھی کہ دیکھ روح یہ ایک جوہر لطیف ہے اور مجھ کو بہت ہی عزیز ہے۔ ایسا نہ کرنا کہ اس کو دنیا میں جا کر بگاڑ لائے۔ یہ میری عمدہ امانت اور نفیس ودیعت ہے۔ دیکھ اس کی احتیاط کما ینبغی اور حفاظت کما حقہ کیجیو۔۔۔ آج تو روسیاہ! اس کو لایا ہے مگر پوتھ سے بدتر اور ٹھیکری سے کمتر بنا کر نجس، ناپاک، تیرہ بے آب، بدرونق، خراب۔"

اس ناول میں نذیر احمد نے مذہبی رواداری کو بھی ضمنی طور پر موضوع سخن بنایا ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ تمام مذاہب کی اصل روح انسانیت، ہمدردی اور عجز و انکساری ہے اور دوسرے مذاہب کی کتابیں پڑھنے اور ان سے انسانیت اور خداترسی کی باتیں سیکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ چناں چہ نصوح اپنے بیٹے "علیم" کو تلقین کرتا ہے کہ دوسرے مذاہب کی ان کتابوں کا مطالعہ کرے جن کو پڑھنے اور سمجھنے سے خاکساری، ہمدردی، انسانیت کا درس ملے۔ نذیر احمد نے ذات وغیرہ کی بنیاد پر معاشرے میں پائے جانے والی عدم مساوات کو بھی بیان کیا ہے۔ وہ کلیم کی زبان سے کہلاتے ہیں:

"یہ نوری جولاہا تو امام بنتا ہے اور محلے کے سقے، حجام، کنجڑے مسجد کے مسافر، اس قسم کے لوگ اس کے مقتدی ہوتے ہیں اور انھیں میں یہ حضرت بھی جا کر شریک نماز ہوتے ہیں۔ بھائی میں تو تم سے سچ کہوں! یہ دیکھ کر مجھ کو اس قدر شرم آتی ہے کہ میں نے ادھر کا

راستہ چلنا چھوڑ دیا۔"

نذیر احمد نے تربیت کے لیے جہاں سخت رویے کو بیان کیا ہے وہیں نرم پہلو کو بھی اختیار کیا ہے اور ماحول سے پیدا ہونے والے اثرات کی طرف اشارہ کیا ہے:

"نعیمہ کو خالہ کا گھر ایک نئی دنیا معلوم ہوتا تھا اگرچہ ابتدا وہ یہاں کے اوضاع کو حقارت سے دیکھتی تھی لیکن جوں جوں وہ ان دستورات سے مانوس ہوتی گئی ان کی عمدگی اور بہتری اس کے ذہن میں بیٹھتی گئی اور اس کو ثابت ہوا کہ بے دین زندگی محض ایک بے اطمینان، بے سہارے زندگی ہے۔"

ناول "توبۃ النصوح" بارہ فصلوں (باب) پر مشتمل ایک اصلاحی ناول ہے۔ اس ناول کا بنیادی موضوع اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کی اصلاح ہے۔ نذیر احمد نے ان کی اصلاح کرنے کے لیے ہر باب میں ایک الگ موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں پر ناول میں پیش کیے گئے تمام موضوعات پر فصل وار گفتگو کی گئی ہے۔

6.2.1 فصل اول:

ناول کی پہلی فصل یعنی پہلے باب میں وبا کو موضوع بنایا گیا ہے، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا پھیلی ہے۔ نصوح بھی اس ہیضے کی چپیٹ سے بچ نہ سکا۔ نصوح کو خواب آور دوائی پلائی جاتی ہے جس کو پیتے ہی وہ سو جاتا ہے اور خواب دیکھنے لگتا ہے۔ وبا کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

"اب سے دور ایک سال دہلی میں ہیضے کا اتنا زور ہوا کہ ایک حکیم بقا کے کوچے سے ہر روز تیس تیس چالیس چالیس آ چھپنے لگے۔ ایک بازارِ موت تو البتہ گرم تھا، ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی، جس طرف نگاہ کرو وحشت اور پریشانی، جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھوے سے کھوا چھلتا تھا، ایسے اجڑے پڑے تھے کہ دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔" (توبۃ النصوح، ص25)

6.2.2 فصل دوم:

ناول کے دوسرے باب میں دکھایا گیا ہے کہ جب نصوح خواب سے بیدار ہوا تو اس کو اپنی بے مقصد، بے دین زندگی پر افسوس ہوا۔ چناں چہ اس نے پورے خاندان کی اصلاح کا بیڑا اٹھالیا۔ نصوح نے اپنی بیوی فہمیدہ سے مشورہ کیا کہ وہ بیٹیوں کی تربیت کرے اور میں بیٹوں کی تربیت کروں گا۔ اس طرح اس باب میں خاص طور سے اولاد کی تربیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نصوح کا یہ اصلاحی اقتباس ملاحظہ ہو:

"نصوح: خدا کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کفر ہے۔ وہ بے نیاز بڑا غفور و رحیم ہے۔

کچھ اوس کو ہماری عبادت کی پرواہ نہیں۔ اگر روئے زمین کے تمام آدمی اس کی نافرمانی کریں تو، اس کی ابدی اور دائمی سلطنت میں ایک سرِ مو برابر بھی فرق نہیں آئے گا اور اسی طرح اگر تمام زمانہ فرشتہ سیرت ہو جائے اور سارے آدمی شبانہ روز مصروفِ عبادت رہیں تو اس کی عظمت اور کبریائی میں ایک رائی کے دانے کی قدر بھی زیادتی اور افزاورنی نہ ہو گی۔" (توبتہ النصوح، ص58)

6.2.3 فصل سوم:

اس فصل میں فہمیدہ اور اس کی بیٹی حمیدہ کی بات چیت درج ہے۔ حمیدہ نصوح کی منجھلی بیٹی ہے۔ فہمیدہ اس سے بات کرتی ہے اور اس کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتی ہے۔ حمیدہ پر ماں کی باتوں کا بہت اثر ہوتا ہے اور وہ نماز پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ اس تعلق سے ماں بیٹی کے مکالمے ملاحظہ ہو:

"حمیدہ: تو کیا میں اللہ میاں کا کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی۔ کیا نماز پڑھنا اتنا مشکل کام ہے۔ میں تو دیکھتی ہوں ابا جان ہاتھ منھ دھو کر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ کیا اتنا مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

میں: اس کے سوا کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے، جس کو تم کہتی تھی کہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔

حمیدہ: وہ کیا باتیں ہیں۔

میں: خدا کی تعریف اور اس کے احسانوں کا شکریہ۔ اپنے گناہوں کا اقرار اور ان کی معافی کی درخواست۔ اس کے رحم کی تمنا۔ اس کے فضل کی آرزو بس یہی نماز ہے۔

حمیدہ: یہ سب باتیں اسی طرح نہ کرتے ہوں گے جیسے ہم لوگ اُس میں گفتگو کرتے ہیں۔

میں: اور کیا۔

حمیدہ: مگر ابا جان تو کچھ اور ہی طرح کی بولی بولتے ہیں۔

میں: وہ عربی زبان ہے۔

حمیدہ: وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اماں جان تم جانتی ہو

میں: نہیں میں بھی نہیں جانتی۔

حمیدہ: تو کیا خدا سے عربی زبان ہی میں باتیں کرنی ہوتی ہے۔

میں: نہیں وہ سب کی بولی سمجھتا ہے بلکہ دلوں کے ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے۔" (توبتہ النصوح، ص55-56)

دونوں میں گفتگو اس طرح شروع ہوتی ہے کہ حمیدہ نے اپنی ماں سے پوچھا کہ ابا جان آج کل عبادت کے طور پر سر جھکائے اکثر کیوں کھڑے رہتے ہیں۔ ماں نے چاہا کہ کچھ ایسے ویسے ہی جواب دے کر اسے ٹال دے، لیکن حمیدہ کے بھولے بھولے سوالوں پر خدا کی شفقت، جو اس کے بندوں پر ہے اور عبادت کے فرائض کے بیان میں جو کچھ اس سے بن پڑا اسے بتا دیا۔ حمیدہ نے پھر پوچھا ماں تم عبادت کرتی ہو اور اگر خدا ایسا رحیم و کریم ہے تو مجھے بھی چاہیے کہ اس کی عبادت اور بندگی کروں۔ ماں نے کہا کہ خدا چھوٹے چھوٹے بچوں سے یہ نہیں چاہتا کہ ایسے بڑے فرائض کو ادا کریں۔ جب تم بڑی ہو گی تو وہ اور بات ہے۔ حمیدہ نے جو واب دیا کہ میں اس کی عنایت اور شفقت کا شکریہ بھی نہ ادا کروں تو شاید وہ خفا ہو جائے اور پھر کوئی چیز کھانے پینے کی ہم کو نہ دے۔ ماں کی باتوں کا حمیدہ کے دل پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں اور وہ نماز پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔

6.2.4 فصل چہارم:

فصل چہارم میں نصوح اپنے چھوٹے بیٹے سلیم سے گفتگو کرتا ہے اور نصوح کو پتہ چلتا ہے کہ سلیم بی اماں کی قربت کی وجہ سے بہت سدھر چکا ہے۔ جب نصوح نے اپنے چھوٹے بیٹے سلیم، جس کی عمر دس سال ہے۔ اس سے بات چیت شروع کی تو اس کی مکتب کی پڑھائی اور شوق کا حال معلوم ہوا۔ اس کو اس بات سے بہت سکون محسوس ہوا۔ اگرچہ گھر کا ماحول بہت اچھا نہیں تھا، لیکن اس کو باہر صحبت اچھی ملی تھی اور سلیم ان نادانیوں سے جو بچپن میں ہوا کرتی ہیں اسے پرہیز کرنا سیکھ گیا تھا۔ نصوح کے پوچھنے پر سلیم نے ایک نیک عورت، جس کا نام حضرت بی تھا۔ اس سے ملنا اور اس سے نصیحت اور دین کی تعلیم پانا بیان کیا۔ آخر میں اس بات کا افسوس ظاہر کیا کہ میں اب اس عورت سے نہیں ملتا۔ اس پر نصوح نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس پر سلیم نے جواب دیا کہ بڑے بھائی کلیم نے منع کر دیا ہے اور میں نے آپ سے اس کی شکایت اس خوف سے نہیں کیا کہ غیبت ہو گی اور بڑے بھائی مجھے ڈانٹیں گے بھی۔ نصوح نے اس کی تسکین کی اور اپنی پچھلی غفلت کا اقرار کیا اور کہا کہ میں حضرت بی کی شفقت کا شکریہ خود ان کے پاس جا کر ادا کروں گا۔ نصوح اور سلیم کی گفتگو کو ملاحظہ ہو:

"باپ: لیکن تم نے اپنی مجبوری کا حال مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا۔

بیٹا: اس خوف سے کہ غیبت ہو گی۔

باپ: تم نے اپنے بڑے بھائی کے رُو در رُو کہا ہوتا۔

بیٹا: اتنی مجال نہ کبھی مجھ میں تھی نہ اب ہے کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس رہنے سے رہا۔ جب اکیلا پائیں گے مجھ کو ٹھیک بنائیں گے۔

باپ: تم کو خوف ہی خوف تھا یا تم کو بڑے بھائی نے کبھی مارا بھی تھا۔

بیٹا: اس کی گنتی نہ میں بتا سکتا ہوں اور نہ بڑے بھائی جان بتا سکتے ہیں۔

باپ: کس بات پر۔

بیٹا: میں تو ہمیشہ ان کے مارنے کو ناحق، بے سبب، بے قصور، بے خطا ہی سمجھا۔

باپ: تم نے اپنی ماں سے بھی کبھی تذکرہ نہ کیا۔

بیٹا: جو وجہ آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی مانع تھی وہی والدہ سے کہنے کو بھی روکتی تھی۔ دوسرے میں دیکھتا تھا کہ گھر میں نماز روزے کے متعلق چرچا نہیں۔ یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو، کہوں اور جس طرح بڑے بھائی جان ناخوش ہوتے ہیں اور لوگ بھی نارضامند ہوں۔

باپ: تو یہ چند مہینے تمہارے نہایت ہی بُری طرح گزرے۔" (توبتہ النصوح، ص69-70)

6.2.5 فصل پنجم:

اس فصل میں فہمیدہ اور اس کی بڑی بیٹی نعیمہ کی نوک جھونک ہوتی ہے۔ نعیمہ نصوح کی بڑی بیٹی ہے، جو اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر آئی ہے۔ اس کی گود میں پانچ ماہ کا بچہ رہتا ہے۔ ماں اور نعیمہ کے درمیان لڑائی اس بات پر ہوتی ہے کہ حمیدہ نعیمہ کے بچے کو گود سے نیچے اتار کر نماز پڑھنے لگتی ہے اور بچہ رونے لگتا ہے۔ نعیمہ بچے کو روتا دیکھ کر نماز ہی میں حمیدہ کو مارنے لگتی ہے اور اس کو برا بھلا بھی کہنے لگتی ہے۔ نعیمہ نے ماں کی دین داری کی بابت کچھ گفتگو کرنا شروع کر دیتی ہے۔ فہمیدہ جو نصوح کے خیالات سے بھری ہوئی تھی، غصے میں آکر نعیمہ کو مار بیٹھی۔ پھر نعیمہ نے وہ واویلا مچایا کہ پڑوسی تک چونکتے پڑتے ہیں۔ نصوح نے جب یہ حال سنا تو نہایت خفا ہوا اور کہا ابھی ہی تو اپنی سسرال چلی جا۔ فہمیدہ نے درمیان میں آکر معاملہ ختم کیا اور نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ کو اس کے منانے کے لیے بلوا بھیجا جو نعیمہ کی ہم عمر تھی اور نعیمہ اس کا کہا بھی مانتی تھی۔ بعد میں فہمیدہ نعیمہ کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتی ہے، لیکن وہ نماز کو اٹھک بیٹھک کہتی ہے۔ اقتباس دیکھیے:

"ماں: کیسی چہیتی کیسی لاڈو؟ قربان کی تھی وہ اولاد جو خدا کو نہ مانے۔

نعیمہ: یہ کب سے۔

ماں: جب سے خدا نے ہدایت دی۔

نعیمہ: چلو خیر جب ہم بھی تمہاری عمر کو پہنچیں گے تو بہتیرا خدا کا ادب کریں گے۔

ماں: آپ کو خیر سے غیب دانی میں بھی دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔

نعیمہ: اب تم میرے مرنے کی فال نکال لو۔

ماں: نہ کوئی کسی کے فال سے مرتا ہے اور نہ کوئی کسی کے فال سے جیتا ہے، جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔

نعیمہ: ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں۔

ماں: اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی۔

نعیمہ: نوج تو کیا میں حیوان ہوں۔

ماں: جو خدا کو نہیں مانتا وہ حیوان سے بد تر ہے۔

نعیمہ: اب تو ایک حمیدہ تمہارے نزدیک انسان ہے باقی سب گدھے ہیں۔

ماں: حمیدہ کا تجھ کو جلاپا پڑ گیا، تو اس کی جوتی کی برابری تو کرے۔

نعیمہ: خدا کی شان، یہ اُٹھک بیٹھک کر لینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔"

(توبتہ النصوح، ص75)

6.2.6 فصل ششم:

یہ پورا باب نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو پر مشتمل ہے، جس میں علیم کے ذریعہ انسانیت کے اہم موضوع کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ علیم عید کے موقع پر اپنی خالہ کے یہاں جاتا ہے اور میاں مسکین کے کوچے میں ایک مقروض پر بنیے کے ظلم کو دیکھتا ہے اور اپنے قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں حوالات چلا جاتا ہے۔ اس کے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں۔ یہ دیکھ کر علیم کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے اور وہ اپنی پسندیدہ ٹوپی بیچ کر اس کو حوالات سے رہا کراتا ہے۔ یہ ساری باتیں نصوح اور علیم کے درمیان ہوتی ہے۔ نذیر احمد نے یہ نمونہ پیش کیا ہے جو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

> "دیکھو ٹوپی بک جائے تو خان صاحب کا سارا قرضہ چک جائے۔ بازار تو قریب تھا ہی۔ فوراً میں گلی کے باہر نکل آیا۔ رومال تو سر سے لپیٹ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے، ایک گوٹے والے کو دکھائی، اس نے چھ کی آنکی۔ میں نے بھی چھوٹتے ہی کہا: لا، بلا سے چھ ہی دے، غرض چھ وہ اور ایک میرے پاس نقد تھا، ساتوں روپے لے، میں نے چپکے سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ تب تک پیادے خان صاحب کو گرفتار کر کے لے جا چکے تھے۔۔۔ فوراً اپنے ہم سایے کو روپیہ دے کر دوڑایا اور خود بچوں سمیت دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ بات کی بات میں خان صاحب چھوٹ آئے۔"
>
> (توبتہ النصوح، ص111)

6.2.7 فصل ہفتم:

اس ناول کی سب سے اہم فصل ہے۔ اس فصل میں نصوح اور اس کے بڑے بیٹے کلیم کی گفتگو ہوتی ہے۔ نصوح اپنے بیٹے کلیم کو بلاتا ہے، مگر وہ نہیں آتا۔ فہمیدہ اور علیم، کلیم کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتے ہیں اس کے بعد بھی وہ نہیں آتا ہے۔ کلیم کی شادی کا ذکر بھی اسی باب میں ہے، جس کے لیے ناول لکھا گیا ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ کلیم کی شادی ابھی ہوئی ہی تھی کہ وہ اپنی بیوی سے لڑ کر جدا ہو گیا اور گھر سے چلا گیا۔ وہ سوائے شعر گوئی اور تاش کھیلنے کے کوئی اور مشغلے میں شامل نہیں ہوتا۔ کلیم اپنے بھائیوں کو طعنہ دیتا تھا کہ تم لوگ ولی ہو گئے ہو اور اپنے باپ کو کہتا تھا کہ ان کے دماغ میں کچھ خلل آ گیا ہے اور خود کو شادی شدہ اور جوان سمجھ کر کسی کی بات نہیں مانتا تھا۔ کلیم کی

ماں نے بھی اس کو سمجھانا چاہا کہ اپنے باپ کے پاس جا، لیکن اس نے کسی کی نہ سنی۔ اس عرصے میں نصوح نے ایک لمبا چوڑا خط کلیم کو بھیجا جس میں خاندان کی اصلاح کی نسبت سے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

6.2.8 فصل ہشتم:

اس باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ اس کو آکر مناتی ہے۔ نعیمہ ایسی روٹھی کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے پاس کسی کو آنے نہ دیتی۔ بلکہ اپنے بچے کی بھی خبر لینا چھوڑ دی۔ شام کو صالحہ آئی اور ماں اپنی بیٹیوں کے حال سے انجان بن گئی کہ گویا اسے کچھ خبر ہی نہیں۔ جب صبح صالحہ اٹھی تو اس نے اپنی خالہ سے نعیمہ کو چند روز کے لیے اپنے گھر لے جانے کی اجازت چاہی۔ ابھی وہ اپنی خالہ سے بات ہی کر رہی تھی کہ نعیمہ اس خیال سے کہ شاید اجازت نہ ملے، گھر سے باہر نکل گئی۔ صالحہ کو اجازت مل جاتی ہے اور وہ پہلے نعیمہ کو کھانا کھلاتی ہے اور اس کو اپنے گھر لے کر چلی جاتی ہے۔ اس باب میں ہندوستانی عورتوں کے عادات و خیالات کو بھی موضوع بنیا گیا ہے، جس سے یہ باب اور بھی بہتر ہو جاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”کون چار دن کی خوشی کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کی مصیبت مول لے۔ مجھ کو خدا کے فضل سے پیٹ بھر کر روٹی اوت تن بدن ڈھانک لینے کو کپڑا، رہنے کو مکان، لیٹنے کو چارپائی، پینے کو پانی دل لینے کو ہوا، سب کچھ میسر ہے۔ میں نہیں جانتی کہ کچھ مجھ کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی درکار ہے۔ سوائے اس کے کہ تم نے پتھر یعنی سونا چاندی مجھ سے زیادہ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور بوجھ کے صدمے سے کان تمہارے کٹے پڑے ہیں۔ ناک تمہاری چھی گئی ہے اور تو کوئی فرق میں تم میں نہیں پاتی۔“
>
> (توبۃ النصوح، ص150)

6.2.9 فصل نہم:

اس باب میں اس بات کو موضوع بنایا گیا ہے کہ کلیم اپنے باپ سے ناراض ہو کر گھر سے چلا جاتا ہے۔ جب نصوح کو یہ بات پتہ چلتی ہے تو وہ اس کے کمرے کی چھان بین کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے کمرے میں فضول کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کمرے میں فحش آمیز کتابیں تھیں، اس کے علاوہ کمرے میں فسانہ عجائب، گل بکاولی، بہارِ دانش، آرائش محفل کے ساتھ چند نامی شاعروں کے دیوان بھی تھے، جن کا خلاف تہذیب ہونا پوشیدہ تھا۔ چناں چہ نصوح اور اس کے دونوں چھوٹے بیٹوں نے کلیم کی ساری چیزوں میں آگ لگا دی۔ جہاں پر یہ کتابیں رکھی تھیں اس کا نام عشرت منزل اور خلوت خانہ تھا۔

6.2.10 فصل دہم:

اس باب میں کلیم اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ رہتا ہے پھر اپنے ایک قرابت دار 'فطرت' کے یہاں رہتا ہے، مگر دونوں جگہ ذلیل اور رسوا ہوتا ہے اور قید خانے کی ہوا کھاتا ہے پھر باپ کی سفارش پر باہر آتا ہے۔

اس باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کلیم گھر سے نکلتے وقت یہ ارادہ کر کے نکلتا ہے، میں اپنے ایک دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ رہ لوں گا۔ کلیم اپنے دوست کو ایک گھر کا سمجھتا ہے، مگر وہ کلیم کی امید کے خلاف اسے ملتا ہے۔ وہ کلم کو کھانے کے لیے کچھ چیزیں دیتا ہے، بچھانے کے لیے ایک دری دیتا ہے اور سونے کے لیے ایک خالی مسجد میں بھیج دیتا ہے۔ صبح ہوتی ہے تو ظاہر دار بیگ خود ہی غائب ہو جاتا ہے اور پولیس والے کلیم پر دری کی چوری کا الزام لگا کر اسے حراست میں لے لیتے ہیں۔ کوتوال اس کے خاندان کا دوست رہتا ہے، جو اس کے باپ کو خبر کرتا ہے۔ پھر نصوح اسے رہا کرواتا ہے۔ گھر آنے کے بعد نصوح نے اس کی نافرمانی پر ایک نصیحت آمیز کہانی سناتا ہے مگر کلیم پھر بھی اس کی اطاعت میں رہنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کے بعد کلیم اپنے گھرانے کی ایک قرابتی فطرت نامی سے ملتا ہے، جس کی نصوح سے اَن بَن رہتی تھی، اس کے گھر چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر اس کو معلوم ہوتا ہے کہ میری کتابیں جلا دی گئیں ہیں۔ تب اسی دوست کی صلاح سے کلیم انتقام لینے کے لیے اس نے اپنے باپ کو ایک گاؤں، جو اتفاق سے کلیم ہی کے نام سے رجسٹر تھا۔ اس کو اپنے دوست فطرت کے ہاتھوں چند روپیوں میں بیچ دیتا ہے اور روپیہ عیاشی میں اڑا دیتا ہے۔ کچھ دنوں بعد کلیم قرض میں ڈوب جاتا ہے اور اپنے باپ نصوح کو ایک مافی نامہ لکھ کر مدد مانگتا ہے۔ نصوح اسے معاف کر دیتا ہے اور قرض ادا کرنے کے لیے اسے سات سو روپے بھیجتا ہے۔ کلیم اس میں سے دو سو راپے بچا کر باپ سے ملاقات کیے بغیر دولت آباد کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔

6.2.11 فصل یازدہم:

اس باب میں کلیم نوکری کی جستجو میں شہر دولت آباد جاتا ہے اور فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے۔ وہ دوران لڑائی زخمی ہو جاتا ہے اور مُردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر اپنے گھر واپس آ جاتا ہے۔ جس کو مصنف نے اس طرح لکھا ہے کہ یہ شہر چھوٹا لکھنؤ ہے اور یہاں پر لوگ خوب آزادی سے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ کلیم وہاں یہ سمجھ کر گیا تھا کہ وہ اپنی شاعری سے دربار میں رسائی حاصل کر لوں گا، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ کلیم نے دیکھا کہ دربار میں مولوی بھرے پڑے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم شاعروں کو نہیں چاہتے۔ ہم کو کام کے آدمی چاہئیں، جو مالگزاری کے تحصیل کے وقت ان لڑاکا ٹھاکروں سے لڑائی بھڑائی کو خیال میں نہ لانے دیں۔ اہل قلم میں تو اس کی کوئی گنجائش نہ بنی، مگر کچھ عرصے بعد کلیم کو پولیس میں نوکری مل گئی۔ کلیم نے اپنی خوش نصیبی کا خط اپنے باپ کو لکھا، لیکن کلیم ٹھاکروں کے ساتھ پہلی ہی لڑائی میں زخمی ہو جاتا ہے اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے دلی بھیج دیا جاتا ہے۔

6.2.12 فصل دوازدہم:

اس باب میں نعیمہ اپنی بہن صالحہ کے گھر رہ کر خود بہ خود راہ راست پر آ جاتی ہے اور اپنی غلطی کے لیے معافی بھی مانگتی ہے۔ نعیمہ اپنے خالہ کے گھر جا کر اصلاح پاتی ہے اور اپنی ماں کے یہاں آ کر سبھی سے مل جل کر رہنے لگتی ہے۔ اس کے بعد خوشی خوشی اپنے شوہر کے گھر چلی جاتی ہے۔ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگتی ہے تو زخمی کلیم کو اس کی بہن نعیمہ کے گھر لے جایا جاتا ہے اور کلیم وہیں وفات پاتا ہے۔ اس طرح یہاں یہ قصہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد نے ناول میں مذہب، اخلاق، عبادت وغیرہ موضوع و مسائل کو زیر بحث لایا ہے اور ہر ایک موضوع پر تشفی بخش اور مدلل گفتگو کی ہے۔ قاری کے دل تک ان موضوعات کو پہنچانے کے لیے انہوں نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے کام لیا ہے۔ لہٰذا یہ ناول ہمیں چند باتوں کی طرف غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ محمد فخر الدین اس تعلق سے توبتہ النصوح کی تقریظ میں لکھتے ہیں؛

(i) بے دینی کی خرابیاں۔

(ii) لڑکوں کا ابتدائی عمر میں تعلیم پانا اور والدین کا نیک ہونا، اچھے چال چلن کی بنیاد ہے۔

(iii) عورتوں کی تعلیم کی ضرورت، صالحہ کی نیکی اور نعیمہ کا جہل سے خوب ظاہر کی گئی ہے۔

(iv) صحبت نیک اور کتب پسندیدہ کا نتیجہ نو عمر لڑکوں کے اوضاع کی دوستی کے باب میں۔

(v) اخلاق کی نسبت صحبت بد کی قباحت اور معمولی کتب درسیہ فارسی کی مضرت۔

الغرض اس ناول کی نسبت سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک شخص تعلیم یافتہ دہلی کی زبان کا ماہر کیوں کر اپنی زبان کو فصاحت اور محاورے کے ساتھ نہیں لکھے گا۔

6.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- "توبتہ النصوح" بارہ فصلوں (باب) پر مشتمل ایک اصلاحی ناول ہے۔
- " توبتہ النصوح" کا خاص موضوع اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت ہے۔
- ناول "توبتہ النصوح" تربیت اولاد کے علاوہ مختلف موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔
- ناول کی پہلی فصل یعنی پہلے باب میں وبا کو موضوع بنایا گیا ہے، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا پھیلی ہوئی ہے۔
- ناول کے دوسرے باب میں دکھایا گیا ہے کہ جب نصوح خواب سے بیدار ہوا تو اس کو اپنی بے مقصد، بے دین زندگی پر افسوس ہوا۔ چناں چہ اس نے پورے خاندان کی اصلاح کا بیڑا اٹھالیتا ہے۔
- تیسرے باب میں فہمیدہ اور اس کی بیٹی حمیدہ کی بات چیت درج ہے۔ حمیدہ نصوح کی منجھلی بیٹی ہے۔ فہمیدہ اس سے بات کرتی ہے اور اس کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتی ہے۔
- فصل چہارم میں نصوح اپنے چھوٹے بیٹے سلیم سے گفتگو کرتا ہے اور نصوح کو پتہ چلتا ہے کہ سلیم بی اماں کی قربت کی وجہ سے بہت سدھر چکا ہے۔
- پانویں باب میں فہمیدہ اور اس کی بڑی بیٹی نعیمہ کی نوک جھونک ہوتی ہے۔ نعیمہ نصوح کی بڑی بیٹی ہے، جو اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر آئی ہے۔

- چھٹا باب نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو پر مشتمل ہے، جس میں علیم کے ذریعہ انسانیت کے اہم موضوع کو پیش کیا گیا ہے۔
- ساتواں باب ناول کا سب سے اہم حصہ ہے۔ اس باب میں نصوح اور اس کے بڑے بیٹے کلیم کی گفتگو ہوتی ہے۔ نصوح اپنے بیٹے کلیم کو بلاتا ہے، مگر وہ نہیں آتا۔ فہمیدہ اور علیم، کلیم کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتے ہیں اس کے بعد بھی وہ نہیں آتا ہے۔
- آٹھویں باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ اس کو آکر مناتی ہے، کھانا کھلاتی ہے اور اسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی جاتی ہے۔
- نویں باب میں کلیم اپنے باپ سے ناراض ہو کر گھر سے چلا جاتا ہے اور نصوح کلیم کا خاص مقام اور شعر و شاعری سے بھری لائبریری کو جلا دیتا ہے، جن کا نام عشرت منزل اور خلوت خانہ تھا۔
- دسویں باب میں کلیم اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ رہتا ہے پھر اپنے ایک قرابت دار فطرت کے یہاں رہتا ہے، مگر دونوں جگہ ذلیل اور رسوا ہوتا ہے اور قید خانے کی ہوا کھاتا ہے پھر باپ کی سفارش پر باہر آتا ہے۔
- گیارہویں باب میں کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد جاتا ہے اور فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے۔ وہ دوران لڑائی زخمی ہو جاتا ہے اور مُردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔
- بارہویں باب میں نعیمہ اپنی بہن صالحہ کے گھر رہ کر خود بہ خود راہ راست پر آجاتی ہے اور اپنی غلطی کے لیے معافی بھی مانگتی ہے۔ کلیم اپنی بہن کے گھر وفات پاتا ہے اور یہاں قصہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔
- ان موضوعات کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد نے ناول میں مذہب، اخلاق، عبادت وغیرہ موضوع و مسائل کو زیر بحث لایا ہے اور ہر ایک موضوع پر تشفی بخش اور مدلل گفتگو کی ہے۔

6.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
ہیضہ	:	ایک وبا کا نام، جس میں بد ہضمی، دست، قے وغیرہ ہوتی ہے
مستعار	:	مانگا ہوا، دوسروں سے لیا ہوا
تریاق	:	زہر کی دوا
کفایت شعاری	:	کم خرچی
سمٰوات	:	سما کی جمع، آسمان
مایغنیک فی الصرف	:	جو علم الصرف سے بے نیاز کرے
تردید	:	رد کرنا
نعم البدل	:	اچھا بدلہ

نصیحت آمیز	:	عبرت دلانے والی بات
مواخذہ	:	جواب طلبی، باز پرس
اوضاع	:	طور طریقے، چال ڈھال، افعال واطوار
مضرت	:	نقصان، خسارہ
مشغلہ	:	کسی کام میں مصروف ہونا
نصیحت آمیز	:	نصیحت دینے والا، سبق سکھانے والا
جہل	:	ان پڑھ ہونا، بے علم
اختتام پذیر	:	تمام ہونا، پورا ہونا، مکمل ہونا

6.5 نمونۂ امتحانی سوالات

6.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b) ہندی (c) انگریزی (d) اطالوی

2۔ ناول کے لفظی معنی کیا ہیں؟

(a) نیا (b) پرانا (c) کہانی (d) حکایت

3۔ اردو کا پہلا ناول نگار کون ہے

(a) پریم چند (b) نذیر احمد (c) عبدالحلیم شرر (d) میر امن

4۔ اردو کا پہلا ناول کس سنہ میں لکھا گیا؟

(a) 1850 (b) 1860 (c) 1869 (d) 1875

5۔ ”توبتہ النصوح“ ڈپٹی نذیر احمد کا کون سا ناول ہے؟

(a) ساتواں (b) پانچواں (c) چوتھا (d) تیسرا

6۔ ناول ”توبتہ النصوح“ کس سنہ میں لکھا گیا؟

(a) 1877 (b) 1875 (c) 1873 (d) 1871

7۔ ناول ”توبتہ النصوح“ بنیادی موضوع کیا ہے؟

(a) لڑکی کی تربیت (b) لڑکے کی تربیت (c) اولاد کی تربیت (d) والدین کی تربیت

8۔ ناول ”توبتہ النصوح“ کتنے ابواب پر مبنی ہے؟

(a) بارہ　(b) دس　(c) آٹھ　(d) چھ

9۔ ناول میں سلیم کی عمر کتنی برس ہے؟

(a) پانچ　(b) سات　(c) دس　(d) بارہ

10۔ ناول میں ہیضے کا ذکر کس باب میں کیا گیا ہے؟

(a) دسویں باب میں　(b) ساتویں باب میں　(c) تیسرے باب میں　(d) پہلے باب میں

6.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول "توبۃ النصوح" کے بنیادی موضوع کی وضاحت کیجیے۔

2۔ ناول کے پہلے باب کا خلاصہ پیش کیجیے۔

3۔ نصوح کے اصلاحی پہلوؤں کو اجاگر کیجیے۔

4۔ فہمیدہ اور حمیدہ کی بات چیت کو بیان کیجیے۔

5۔ نصوح اور سلیم کی گفتگو کو قلم بند کیجیے۔

6.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ فہمیدہ اور نعیمہ کی نوک جھونک کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

2۔ نصوح اور کلیم کے درمیان ناراضگی کا سبب بیان کرتے ہوئے اپنی خیالات کا ظہار کیجیے۔

3۔ ناول "توبۃ النصوح" کا موضوعاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

6.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	ناول کیا ہے	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی
2۔	اردو ناول (تعریف، تاریخ اور تجزیہ)	پروفیسر صغیر ابراہیم
3۔	نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر اشفاق محمد خاں
4۔	حیات النذیر	سید افتخار بلگرامی
5۔	مولوی نذیر احمد دہلوی-احوال و آثار	ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

6.5.1 جوابات:

D-1	A-2	B-3	C-4	D-5
A-6	C-7	A-8	C-9	B-10

اکائی 7: ناول ''توبتہ النصوح'' کا فنی مطالعہ

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 ناول ''توبتہ النصوح'' کا فنی مطالعہ

7.2.1 پلاٹ

7.2.2 کردار نگاری

7.2.3 تکنیک

7.2.4 زماں و مکاں اور آفاقیت

7.2.5 عنوان اور نقطۂ نظر میں رشتہ

7.2.6 زبان و بیان

7.3 اکتسابی نتائج

7.4 کلیدی الفاظ

7.5 نمونۂ امتحانی سوالات

7.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

گزشتہ اکائیوں میں آپ نے ڈپٹی نذیر احمد کے عہد کے سیاسی و سماجی حالات، حالات زندگی، ادبی خدمات وغیرہ کے ساتھ ان کے ناول ''توبۃ النصوح'' کے موضوعاتی تجزیے کا مطالعہ کیا۔ اس اکائی میں آپ اسی ناول کے فنی تجزیے کا مطالعہ کریں گے۔ اس بات سے آپ بخوبی واقف ہیں کہ نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ نذیر احمد سے پہلے اردو میں ناول نگاری کے نمونے نہیں ملتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے

ابتدائی ناولوں میں بعض فنی کمزوریاں دیکھنے کو ملتی ہیں، لیکن جیسے جیسے ان کے ناول منظر عام پر آتے گئے ان میں فنی پختگی اور بالیدگی نظر آتی ہے۔اس طرح نذیر احمد کے ناولوں میں فنی سطح پر بتدریج ارتقا دیکھنے کو ملتا ہے۔ان کے ناول توبۃ النصوح، فسانہ مبتلا اور ابن الوقت فنی نقطۂ نظر سے کامیاب ناول قرار دیے جاسکتے ہیں۔ان میں سے ''توبۃ النصوح'' کو فنی اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- توبۃ النصوح کے پلاٹ پر اظہار خیال کر سکیں۔
- توبۃ النصوح کی تکنیک کو واضح کر سکیں۔
- ناول توبۃ النصوح کے زماں و مکاں اور آفاقیت کی اہمیت کو بیان کر سکیں۔
- ناول توبۃ النصوح کے عنوان اور نقطۂ نظر کے رشتے کو اجاگر کر سکیں۔
- توبۃ النصوح کی زبان و بیان پر گفتگو کر سکیں۔

7.2 ناول ''توبۃ النصوح'' کا فنی مطالعہ

ڈپٹی نذیر احمد نے اردو کے افسانوی ادب کو سات ناول دیے ہیں۔نذیر احمد ان ناولوں کے ذریعے مذہبی اور سماجی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔'توبۃ النصوح' ان کا تیسرا ناول ہے اور اس کا موضوع تربیتِ اولاد ہے، یہ بھی اصلاح کا اہم جزو ہے۔اس کے لکھنے کا ذکر نذیر احمد بنات النعش کے دیباچہ میں کر چکے تھے۔جہاں وہ لکھتے ہیں:

> ''تعلیمِ دین داری کا ایک مضمون اور رہ گیا ہے۔اگر حیات مستعار باقی ہے اور پیٹ کے دھندے یعنی مشاغل خدمت سے اتنی تھوڑی فرصت بھی ملتی رہی۔۔۔تو انشاء اللہ بشرط خیریت اگلے سال تک وہ بھی ایک کتاب کے پیرائے میں پیش کش ناظرین کیا جائے گا۔''

نذیر احمد نے اپنے وعدے کے مطابق اس موضوع کو بھی ناول کے پیرائے میں ڈھالا اور یہ ناول 1874ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔اس ناول میں نذیر احمد نے مرکزی کردار ''نصوح'' کے توسط سے تربیت اولاد کا کام لیا ہے۔اس ناول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ڈینیل ڈیفو کی تصنیف ''دی فیملی انسٹرکٹر'' سے ماخوذ ہے۔اس ناول کے پلاٹ کے بارے میں ڈاکٹر محمد صادق نے اپنے مضمون ''توبۃ النصوح اور اس کا ماٰخذ'' میں لکھا ہے:

> ''ڈینیل ڈیفو کی اس تصنیف کا نام '' The Family Instructor دی فیملی انسٹرکٹر'' ہے اور یہ تین مختصر حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے کا نام Relating to father and children ہے۔دوسرے کا The Masters and Servants اور تیسرے کا The Husbands

ہے۔ "توبۃ النصوح" کا پلاٹ پہلے حصہ یعنی Relating to father and wives and children سے لیا گیا ہے۔"

7.2.1 پلاٹ:

ناول کے پلاٹ کا تعلق قصے کی ترتیب سے ہوتا ہے۔ پلاٹ میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ جو واقعات پیش کیے جا رہے ہیں وہ آپس میں مربوط ہوں اور ان ہی واقعات و حرکات کا ذکر ہو جو قصے کو آگے بڑھانے میں مدد گار ہوں۔ پلاٹ کی دلکشی پر ہی ناول کی تعمیر کھڑی ہوتی ہے۔ توبۃ النصوح کا پلاٹ اکہرا ہے اور اس کا آغاز انتہائی دل کش و دل آویز ہے، جو قاری کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کا پلاٹ ڈیفو کے ناول کے پہلے حصے سے لیا گیا ہے، لیکن نذیر احمد نے اس کو بہت ہی دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد صادق توبۃ النصوح کے پلاٹ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> "یہ صاف ظاہر ہے کہ موخر الذکر کا پلاٹ ڈی فو کے ناول سے ماخوذ ہے، لیکن یہ بات بھی اتنی ہی واضح ہے کہ اپنے پلاٹ کی ترتیب و تشکیل میں نذیر احمد نے آزادی سے کام لیا ہے۔ کئی واقعات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور چند نہایت اہم اور دلکش اجزا کا اضافہ کیا گیا ہے۔"

آگے ڈاکٹر محمد صادق لکھتے ہیں:

> "ایک انگریزی مصنف کا قول ہے کہ مضمون اس کا ہے، جو اسے بہترین اسلوب میں ادا کرے۔ جب سرقہ اصل سے بڑھ جائے تو وہ سرقہ نہیں رہتا۔ نذیر احمد نے اپنا پلاٹ ڈی فو سے لیا ہے، لیکن ان کا ناول ڈی فو کے قصے سے بدرجہا بہتر ہے۔۔۔ نذیر احمد نے ڈی فو کے مدھم اور ادھورے نقوش میں ایک نئی جان ڈال دی ہے۔"

توبۃ النصوح کا پلاٹ اس طرح ہے کہ دہلی میں شدت سے ہیضے کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ ہیضے سے روزانہ کئی جانیں جاتی ہیں خود نصوح کے گھر سے تین جانیں والد، اس کی خالہ اور گھر میں کام کرنے والی ماما ہیضے میں چل بستی ہے۔ ہیضے کا اثر نصوح پر بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اس کو خواب آور دوا دیتا ہے جس سے وہ سو جاتا ہے اور خواب میں عدالت کا منظر دیکھتا ہے، جہاں ہر طرف لوگ پریشان حال نظر آتے ہیں وہاں اس کے محلے کے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو انتقال کر چکے ہیں پھر اس کی ملاقات اس کے والد سے ہوتی ہے، جس سے آخرت کی پکڑ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کو ڈپٹی نذیر احمد نے مکمل ڈرامائی پیکر میں ڈھالا ہے۔ اپنے والد کو اس حال میں دیکھ کر نصوح پریشان ہوتا ہے، چناں چہ خواب سے بیدار ہونے کے بعد اس کو دنیاداری کی چمک دمک پھیکی معلوم ہونے لگتی ہے اور دین کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ وہ اپنی گذشتہ زندگی پر نادم ہو کر دیندارانہ زندگی گزارنے کا عہد کرتا ہے۔ ساتھ ہی جب وہ اپنے اہل و عیال کی حالت پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو احساس ہوتا ہے کہ ہم تو بگڑے ہیں ساتھ ہی اللہ نے جو امانت دی تھی اس میں بھی خیانت کی ہے، ان کو بگاڑا ہے جس سے نسلیں برباد ہوں گی۔ لہٰذا وہ اپنے اہل خانہ کی تربیت کا بھی مصمم ارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے اپنی بیوی کو ہمراز بناتا ہے، اس سے مشورہ کرتا ہے۔ طویل گفتگو کے بعد یہ

طے ہوتا ہے کہ بیٹوں کی اصلاح نصوح اور بیٹی کی اصلاح ماں 'فہمیدہ' کرے گی۔

چھوٹے بچوں سے تربیت شروع ہوتی ہے۔ نصوح چھوٹے بیٹے سلیم سے گفتگو کرتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بی اور ان کے نواسے کی صحبت سے اس میں تبدیلی آچکی ہے۔ادھر فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں مذہب کے سلسلے میں تکرار ہو جاتی ہے۔ نعیمہ بار بار مذہب کی توہین کرتی ہے تو فہمیدہ نعیمہ کو تھپڑ رسید کرتی ہے۔ نعیمہ پورے گھر کو سر پر اٹھا لیتی ہے۔ وہ کھانا پینا چھوڑ کر اپنے آپ کو تنہا کر لیتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے کو دودھ بھی نہیں پلاتی ہے۔ فہمیدہ حالات کو قابو میں لانے کے لے اپنی بھانجی صالحہ کو بلاتی ہے وہ آکر نعیمہ کو منا کر اپنے گھر لے کر چلی جاتی ہے۔ کہانی آگے بڑھتی ہے اور نذیر احمد نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو کا ذکر کرتے ہے، جو پادری کی کتاب سے راہ مستقیم کا قصد کر چکا تھا۔ اب باری سب سے بڑے بیٹے کلیم کی ہے۔ باپ کے بلانے پر نہیں جاتا ہے خط لکھتا ہے تو گھر سے نکل جاتا ہے یہیں سے کہانی میں عروج آتا ہے۔ کلیم اپنے دوست ظاہر دار بیگ کے یہاں جاتا ہے وہاں سے جیل خانہ اور باپ کی سفارش پر چھوٹتا ہے اور اخیر میں دولت آباد کا رخ کرتا ہے لیکن وہاں اسے شعر وشاعری کے بجائے فوج کی ذمہ داری ملتی ہے، جو اس کے بس کی نہیں ہوتی ہے۔ شروع میں اس میں ترقی پاتا ہے لیکن جب لڑائی ہوتی ہے تو بری طرح زخمی ہو جاتا ہے اور کہاروں کے کندھے پر دلی آتا ہے۔ ادھر نعیمہ اپنی خالہ کے یہاں رہ کر سدھر جاتی ہے اور برسوں سے اجڑا ہوا اس کا گھر پھر سے آباد ہو جاتا ہے۔ ادھر کلیم کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور اپنی زندگی کو آئندہ کے لیے نمونہ قرار دیتا ہے اور اس دار فانی کو الوداع کہہ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نصوح کی اصلاح کی کوشش بھی ختم ہو جاتی ہے۔

کہانی بیان کرنے میں کئی جگہ نذیر احمد سے لغزش بھی ہوئی ہے۔ جیسے نصوح کو ابتدا میں نمازی دکھایا گیا ہے اور جب ان کے باپ کا انتقال ہوتا ہے تو وہ صبح کی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے مگر بعد میں بتایا جاتا ہے کہ بیماری سے اٹھ کر اچانک نماز شروع کرتا ہے۔ اسی طرح کلیم کے شادی شدہ ہونے کا ذکر اخیر میں فصل بارہ میں کرتے ہیں۔ یہ بالکل بے وقت کی راگنی معلوم ہوتی ہے۔ جب پورے ناول میں کہیں بھی اس کی بیوی بچوں کا ذکر نہیں ملتا تو اخیر میں ان کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ممکن ہے تاسف کے اثر کو بڑھانا مقصود ہو، لیکن اس کے لیے یہ ذکر مقدم ہونا چاہیے تھا۔

اگر توبۃ النصوح کا مطالعہ کریں تو صرف ایک خاندان ہونے کی نسبت سے ان قصوں میں ربط ہے ورنہ ہر ایک فصل الگ معلوم ہوتی ہے اور ابتدا میں تمام واقعات زیادہ ہی بے ربطی کے شکار ہیں۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''توبۃ النصوح کے پلاٹ میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ قصے کے ابتدائی حصے میں نصوح کے مرکزی کردار کے سوا کوئی رشتۂ اتحاد نہیں۔''

ان تمام خامیوں کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجموعی طور پر قصے پر نذیر احمد کی گرفت مضبوط ہے۔ نصیحتوں کی دخل اندازی کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ کر منتشر نہیں ہوتا اور ضمنی قصے بھی وقوعات میں حائل نہیں ہوتے اور نذیر احمد گزشتہ دوناولوں کے بالمقابل اس ناول میں ایک قابل قبول پلاٹ تیار کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

7.2.2 کردار نگاری:

ناول نگار کو واقعات بیان کرنے کے لیے کردار کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ان کا برتنا مشکل ہے، کردار نگاری کی خوبی پر بھی ناول کی عمدگی کا انحصار ہوتا ہے۔ کردار کا ذکر ایسے انداز میں ہونا چاہیے کہ یہ نہ محسوس ہو کہ یہ ناول نگار کے پیادے ہیں بلکہ وہ ہمارے ماحول کے اشخاص معلوم ہوں جو قاری کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ نذیر احمد نے گزشتہ ناولوں کے مقابلے میں اس ناول میں بہتر کرداروں کا انتخاب کیاہے جن میں ہمیں انسانی صورت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

ناول کا مرکزی کردار نصوح ہے، جو مختلف کرداروں کو مربوط رکھنے کا کام کرتا ہے تاہم اس کے بڑے لڑکے کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ کا کرداراس سے بھی زیادہ اہم نظر آتاہے۔ نذیر احمد کے ناولوں میں عام طور پر ویلن کا کردار ہیرو کے کردار سے زیادہ جاندار ہوتا ہے جیسا کہ اس ناول میں ظاہر دار بیگ کا کردار ہے۔

اس ناول میں نصوح کا کردار مرکزی حیثیت رکھتاہے۔ یہ کردار کافی حد تک اسم بامسمیٰ ہے، کیوں کہ قصے کے دوران ایک ناصح کی صورت میں قاری کے سامنے آتاہے اور ایک انسان کی طرح نیکی اور بدی کے مراحل سے گزرتا ہے۔ اس کی زندگی میں نذیر احمد نے اچانک صرف خواب دیکھنے سے جو کایہ پلٹ تبدیلی لائی ہے۔ یہ داستانوی عنصر معلوم ہوتاہے لیکن یہ کہانی جس عہد اور ماحول میں لکھی گئی ہے اس اس میں ایسا ہونا ناقابل قیاس نہیں ہے۔

قاری کو اس عہد کی مسلم خواتین کے ایک مخصوص طبقے کا نمونہ نعیمہ کی شکل میں نظر آتی ہے۔ یہ طبقہ دولت مند مگر ناخواندہ مسلم خواتین کاہے۔ وہ بات بات پر ماں سے الجھتی ہے اور جاہل عورتوں کی طرح کھانا پینا چھوڑ کر بلکہ اپنے بچے کو بلبلاتے ہوئے چھوڑ کر اپنی بات منوانا چاہتی ہے۔بقول عبد القادر سروری یہاں نذیر احمد نے ایک جھگڑالو ہندوستانی عورت کے کردار کو نفیس انداز میں پیش کیاہے۔

نعیمہ اپنی تمام تر بداخلاقیوں کے باوجود مشرقی تہذیب میں پروردہ ایک بد مزاج اور ضدی لڑکی ہے۔ مذہب سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ برائیاں اس کے اندر در آئی تھیں، لیکن اپنی خالہ کے گھر جاکر جب وہ دینی ماحول پاتی ہے تواپنی تمام تر برائیوں سے توبہ کرکے ایک ملنسار، نیک، شائستہ اور پاکباز عورت بن کر دوبارہ ہمارے سامنے آتی ہے۔ عبد القادر سروری لکھتے ہیں:

> "نعیمہ کے کردار میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کی ایک ادبی کردار سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کا دکھڑا ہم اسی احساس بھرے دل کے ساتھ سنتے ہیں جیسے کسی واقعی انسان کی زبان سے ہم اس کی بپتا سن رہے ہیں۔ کہیں وہ ہمارے دل کو ٹھیس لگاتی ہے۔ کہیں کسی واقعہ سے ہمارے لبوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ کبھی ہم اس کو ملامت کرتے ہیں اور کسی وقت اس سے ہمدردی۔ اس کی شخصیت نہ صرف "توبۃ النصوح" کے تمام اشخاصِ قصہ بلکہ تمام اردو افسانوی کرداروں سے جداگانہ ہے۔"

کلیم ایک ضدی، خودسر اور خود پرست انسان کی شکل میں قاری کے سامنے آتاہے، جو ادب پرست اور فن شناس ہے۔ وہ تقلید کے بجائے جدت پسند طبیعت کامالک ہے، لیکن نصوح کے نزدیک کلیم کی ادبی دلچسپیاں لغو ہیں اور کلیم کے نزدیک وہی سب کچھ ہیں چناں چہ

نصوح کے اعتراض کرنے پر وہ گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے، پہلی رات ویران مسجد میں گزارتا ہے ظاہر دار بیگ سے دھوکہ کھاتا ہے۔ میاں فطرت کے بہکاوے میں آکر جائداد فروخت کر دیتا ہے اور مشاعروں اور عیاشیوں میں ساری دولت اڑا دیتا ہے۔ اس طرح مختلف مقامات پر تجربات حاصل کر کے تائب ہو کر دلی واپس ہوتا ہے۔ اس کی باغیانہ روش اس کو نصوح سے زیادہ جاندار، متحرک اور فطری کردار بنا دیتی ہے اور وہ اپنی تمام تر ناپسندیدہ صفات کے باوجود تائب ہونے پر قارئین سے ہمدردی وصول کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ کلیم بھی نعیمہ کی طرح حقیقی، انفرادی اور اپنے عہد کی نمائندگی کرنے والا کردار بن کر ابھرتا ہے۔

توبۃ النصوح کا ایک زندہ اور متحرک کردار مرزا ظاہر دار بیگ ہے، جو اسم با مسمیٰ ہے۔ وہ ظاہر داری کا مظہر اور خوشامدی، چرب زبانی و مکاری کا نمونہ ہے۔ وہ بنے کا دوست ہے بگڑے کا نہیں۔ یہ کردار اپنی شیخی اور ظاہر داری کے سہارے زندگی گزارتا ہے۔ مشاعرہ کی محفل میں کلیم سے مرزا کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ اپنی لفاظی اور جادو بیانی کے ذریعہ کلیم کی نگاہ میں اپنی شان و شوکت قائم کرلیتا ہے اور خود کو رئیس زادہ ثابت کرتا ہے اور سیدھا سادہ کلیم اس کی باتوں میں آکر یقین کرلیتا ہے کہ جمعدار کا تمام ترکہ اور جائداد مرزا کی ملکیت ہے۔ یہ کردار قاری کے سامنے مختصر عرصے کے لیے آتا ہے لیکن اپنی مضحکہ خیز غلط بیانیوں سے دل پر چھاجاتا ہے اور اپنی یاد کا ایک گہرا نقش دل و دماغ پر مرتب کرتا ہے۔

ان چاروں کے علاوہ فہمیدہ، صالحہ، علیم، سلیم اور حمیدہ کے کردار سیدھے سادے اور معمولی ہیں۔ علیم، سلیم اور حمیدہ کے کردار سے کلیم اور نعیمہ کا کردار واضح ہوتا ہے۔ حمیدہ کے ذریعہ مذہب کے سہل ہونے کو پیش کرنے کی بہترین کوشش کی ہے کہ مذہب انتہائی آسان ہے۔ چھوٹی بچی حمیدہ بھی اسی کو سمجھنے پر قادر ہے۔ اگرچہ ایسا لگتا ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات ہو۔ مزید چند ملازم بیدار، دیندار وغیرہ کا کردار بھی کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے متعارف کرایا گیا اور میاں فطرت کا کردار بھی نمایاں رول ادا کرتا ہے۔

7.2.3 تکنیک:

کسی فن کو برتنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر فن مرتب ہوتا ہے۔ اسی طرح ناول نگار بھی قصہ بیانی، پلاٹ سازی اور کردار کی تخلیق میں کچھ اصول کو پیش نظر رکھتا ہے۔ فن کو برتتے ہوئے ناول نگار کو یہ بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے کہ ناول سے ادبیت کا عنصر غائب نہ ہونے پائے ورنہ اس کی تخلیق دلچسپی سے خالی ہو جائے گی۔

ناول میں قصہ بیانی اور پلاٹ سازی کے لیے کئی طرح کی تکنیکوں کو بروئے کار لایا گیا ہے جیسے بیانیہ، فلیش بیک، خطوط، شعور کی رو، خواب کی تکنیک وغیرہ۔ ناول "توبۃ النصوح" بیانیہ تکنیک میں ہے اور ساتھ ہی خواب اور خطوط کی تکنیک کی جھلک ملتی ہے۔ اعجاز احمد ارشد "نذیر احمد کی ناول نگاری" میں لکھتے ہیں:

> "اردو میں چوں کہ نذیر احمد سے پہلے داستان یا قصے کی روایات کسی محکم اصول یا تکنیک کی بنیاد پر نہیں تھی۔۔۔ اس لیے نذیر احمد کے سامنے اعلیٰ و ارفع فن قصہ گوئی کی کوئی مثال نہ تھی۔ تکنیک کی اہمیت کا احساس انہیں ہو بھی تو ادھورا ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے تکنیک کی طرف کوئی

خاص توجہ نہیں دی ہے۔"

کہانی کے بیان کرنے کا طریقہ قدیم ہے، نذیر احمد نے بھی اسی طریقہ کو اپنایا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس میں کہانی کو صرف راوی بیان کرتا جارہا ہے بلکہ کرداروں کی مدد سے اور ان کے مکالموں سے بھی کہانی میں جان پیدا کی گئی ہے۔ آغاز میں نصوح کے مکمل خواب کا ذکر ہے اور اس کو رویائے صادقہ یعنی سچا خواب سمجھ کر عمل پر آمادہ کروایا گیا ہے، جو بالکل فطری معلوم ہوتا ہے۔ خواب کے منظر کو بھی بہترین اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، جس سے لگتا ہے کہ قاری بھی خواب دیکھنے والے کے ساتھ ہے۔

نصوح جب اپنے بڑے بیٹے کلیم کو اپنے پاس بلاتا ہے اور واپس نہیں جاتا ہے وہاں خواب کی تکنیک کا بھی استعمال کیا گیا ہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ نذیر احمد نے یہ تکنیک دانستہ طور پر استعمال کی ہے بلکہ ممکن ہے انہوں نے نادانستہ ان کو استعمال میں لایا ہو۔

7.2.4 زماں و مکاں اور آفاقیت:

ناول کا اہم جز کہانی ہے اور کہانی کے لیے زمان و مکان لازمی ہے۔ کوئی بھی واقعہ کسی جگہ اور خاص وقت میں ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کہانی وجود میں ہی نہیں آسکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کب اور کہاں ہوا ہے۔ اسی کو زمان و مکان کا نام دیا جاتا ہے، اس کو بھی ماحول سے موسوم کیا جاتا ہے، جس کی جانب "ناول کیا ہے" میں اشارہ کیا گیا ہے:

> "قصہ کس خاص طرز زندگی کس مخصوص زمانہ وماحول کن مخصوص اخلاق ورسوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اکثر ناول نگار کسی جغرافیائی ماحول کو لے کر اپنے ہر ناول میں اسی ماحول کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں۔ کوئی کسی خاص شہر کی، کوئی کسی خاص طبقہ کی، کوئی کسی دیہات کی، کوئی محض سیاسی، کوئی اقتصادی وغیرہ زندگی کی عکس کشی کو اپنا دائرہ بنالیتا ہے، بعض ناول نگار اپنے تمام ملک کو مجموعی حیثیت سے سامنے رکھ کر اس کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔"

ناول میں کہانی کا مقصد صرف اس واقعہ کا بیان نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو صرف ایک نمونہ ہوتا ہے اور اس کی مقصدیت عام ہوتی ہے اور اس سے حاصل شدہ درس سارے عالم کے لیے ہوتا ہے۔ ہر ایک قاری اپنے اپنے ماحول اور زمان و مکان کے لحاظ سے اس کو اپنے اوپر منطبق کر سکتا ہے۔ اسی کو اصطلاح میں ہم آفاقیت کہہ سکتے ہیں۔ اسی کے پیش نظر ہم ناول "توبۃ النصوح" کے زمان و مکان اور اس کی آفاقیت پر نظر ڈالتے ہیں۔

یہ ناول 1874 میں ضبط تحریر میں آیا تو اس ناول میں وقوع پذیر واقعہ کا زمانہ بھی لگ بھگ یہی ہے۔ جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوگئے تو اس وقت عام مسلمان زوال پذیر تھا۔ نصوح کا خاندان اس وقت دہلی میں مقیم تھا، جہاں ہیضہ کی سخت وبا آئی تھی۔ اس خاندان کی صورتِ حال کو اسلوب انصاری نے اس طرح بیان کیا ہے:

> "اس کا گھرانا عام مسلم معاشرے کے درمیان ایک کائناتِ اصغر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ زوال آمادہ ہے اور یہاں مذہب کی حیثیت ایک فعال محرک اور نظامِ اقدار کی بجائے محض ایک ٹونے ٹوٹکے کی سی ہے،

جسے برت کر ہی اسی کا اثبات کیا جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اس کی تمام تر قدریں نقلی اور فریب کن اور رسم و رواج کی ظاہری پابندی پر مبنی ہیں۔ مذہب کی اصلی روح اور زندگی میں اس کی اہمیت کا شعور یہاں یکسر ناپید ہے۔"

اس ناول میں اگرچہ دلی کے ایک خاص خاندان کا ذکر ہے لیکن اس کا مقصد تربیت اولاد ایک آفاقی مسئلہ ہے، جو تمام والدین کو در پیش ہے۔ یہ ایک اہم فریضہ ہے جس میں اکثر والدین سستی برتتے ہیں یا تربیت اولاد کے اصل مفہوم سے ہی ناواقف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نذیر احمد لکھتے ہیں:

"تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا، روٹی کمانے کھانے کا کوئی ہنر اُن کو سکھا دیا، ان کا بیاہ برات کر دیا بلکہ ان کے اخلاق کی تہذیب، ان کے مزاج کی اصلاح، ان کے عادات کی درستی، ان کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض ہے۔"

نذیر احمد نے یہ قصہ صرف امت مسلمہ کے لیے نہیں لکھا بلکہ بلا مذہب و ملت ہر ایک کے لیے عام ہے۔ اس سے متعلق نذیر احمد نے خود لکھا ہے:

"پس یہ قصہ اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہے مگر بتغیر الفاظ ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔"

یقیناً اخلاقی مسائل ہر ایک مذہب کا تقاضہ ہے، کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی مدعی ہر ایک ملت ہے۔ اس ناول کے ایک کردار علیم کا میاں مسکین کے کوچے کے ایک مقروض غریب کی مدد کے لیے اپنی ٹوپی بیچ دینا انسانیت کا نمونہ ہے جو دنیا کے ہر انسان کے لیے عام ہے اور دنیا کے انسان کو دوسرے انسان کی دستگیری کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

بہر صورت اگر ایک مذہب بھی مان لیں تب بھی اس کی آفاقیت مسلم ہے، مذہب سے جو دوری اس عام مسلم گھرانے میں ہے وہی اکثر مسلم گھرانے کے افراد کا شیوہ ہے۔ اسلام کے ارکان اور مسلمانوں کے حیلے سے متعلق جو نصوح بیان کرتا ہے وہ تقریباً ہر گھر بلکہ ہر فرد کا واقعہ ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"پنج وقتی کو تو کبھی فرض و واجب کیا، مستحب بھی نہیں سمجھا۔ صبح اور ظہر اور عشا تو عمر بھر پڑھی ہی نہیں کیوں کہ عین سونے کے وقت تھے۔ رہی عصر سو ہوا خوری اور سیر بازار، خرید و فروخت، دوست آشناؤں کی ملاقات، دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو عذر ظاہر تھا وقت کی تنگی۔ جب تک پھر پھرا کر گھر آئے حمرت شفق زائل ہو جاتی تھی۔ یہ تو اس عبادت کا حال تھا جس کو ثواب بے زحمت اور اجر بے تکان کہنا چاہیے اور جس عبادت میں ذرا سی تکلیف بھی تھی جیسے روزہ یا زکوٰۃ حتی الوسع کوئی نہ کوئی حیلہ شرعی اُس سے معاف رہنے کا سوچ لیا جاتا تھا۔"

الغرض نذیر احمد نے اس ناول میں انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد کی دہلی کے ایک متوسط مسلم گھر کی کہانی بیان کی ہے۔ لیکن یہ صرف اسی زمانے کے لیے اور اس علاقے اور گھر کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے۔ تربیت اولاد کی سمجھ اور اس میں کمی ہر جگہ آج بھی بدستور قائم ہے۔ آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بچوں کی دنیا سنواری جاتی تھی اور سنواری جارہی ہے لیکن ہم خود اپنی آخرت سے بے خبر ہیں اولاد کی آخرت کیا خاک سنواریں گے۔ یہ ناول ہم سب کو عمل کی دعوت دے رہا ہے۔

7.2.5 عنوان اور نقطۂ نظر میں رشتہ:

نذیر احمد نے ناول کا نام ''توبۃ النصوح'' رکھا ہے یہ نام قرآن کریم کی سورہ تحریم کی آیت نمبر:8 (یَا اَیُّہَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا تُوۡبُوۡا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحاً) سے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ اس کا لفظی معنی مخلصانہ اور سچی توبہ کے ہیں۔ اس عنوان سے مولانا جلال الدین رومی نے بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے، وہ واقعہ مکمل طور پر اپنے عنوان سے مطابقت رکھتا ہے کہ نصوح نامی شخص اپنے گزشتہ اعمال سے توبہ کر لیتا ہے اور پوری زندگی اپنی توبہ پر قائم رہتا ہے۔ اس میں صرف اس شخص کے قصے کو مکمل طور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

لیکن جب ہم اس ناول کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ نذیر احمد نے اس ناول کا آغاز بھی نصوح نامی شخص کی توبہ سے شروع کیا ہے اور وہ مکمل طور پر اپنے توبہ پر قائم بھی رہتا ہے لیکن جیسا کہ خود ناول نگار نذیر احمد نے بتایا ہے کہ اس ناول کا مقصد تربیت اولاد ہے اور یہ مقصد پورے طور پر ناول میں چھایا ہوا ہے، نصوح کی توبہ کا ذکر پہلی فصل اور دوسری فصل کے ابتدائی چند صفحات پر مکمل ہو جاتا ہے اس کے بعد سے ہی مقصدیت حاوی ہو جاتی ہے۔ اس کو اجاگر کرنے کے لیے نذیر احمد نے لکھا ہے:

> ''اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی بچے سب ایک رنگ ہیں، دنیا میں منہمک، دین سے بے خبر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا میں تو تباہ ہوا ہی تھا۔ میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی باٹ ماری۔ اپنی شامت اعمال کیا کم تھی کہ میں نے ان سب کا وبال سمیٹا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی روحیں مجھ کو سپرد کی تھیں۔ افسوس میں نے دولت ایزدی کو تلف کیا اور امانت الٰہی کی نگہداشت میں مجھ سے اس قدر سخت غفلت ہوئی۔ یہ سب لوگ میرے حکم کے مطیع اور میری مرضی کے تابع تھے۔ میں نے اپنا برا نمونہ دکھا کر ان سب کو گمراہ کیا۔ اگر میں قدغن رکھتا تو یہ کیوں بگڑتے اور یہ بگڑے تو آخر ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بگڑے گی۔

غرض میں دنیا میں بدی کا بیج بو چلا۔ جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے ہیں باقیات الصالحات اور یادگارِ نیک دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ایسا بدبخت ہوا کہ مجھ سے یادگار بھی رہی تو بدی۔ جب تک میری نسل رہے گی بدی بڑھتی اور پھیلتی جائے گی۔''

ناول کا عنوان رشیدۃ النسا کے ناول ''اصلاح النساء'' کی طرح ''اصلاح اولاد'' بھی ہو سکتا تھا اور عنوان پورے طور پر منطبق بھی ہو جاتا، لیکن کہانی کی جان، تجسس ختم ہو جاتا اور عنوان دیکھ کر ہی قاری نتیجہ اخذ کر لیتا۔

یقیناً توبہ کا لازمی جز اصلاح نفس ہے اور اس کے ساتھ اپنی ذات سے منسلک نفوس کی اصلاح بھی لازمی ہے اور نصوح کے اسی کام کو اس ناول میں تفصیل کے پیش کیا گیا ہے۔ نصوح کے ساتھ ساتھ نعیمہ اور کلیم بھی اپنی ماضی کی غلطیوں پر نادم و پشیماں ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ آیئے کلیم کی توبہ کو اسی کی زبان میں سنتے ہیں:

"اُس وقت وہ اپنے افعال پر تاسف کر کے اتنا رویا کہ اس کو غش آ گیا۔"

"اگرچہ میں نے اپنی زندگی خرابی اور رسوائی اور فضیحت اور والدین کی نارضامندی اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں، لاکھوں زندگیاں ہوں تو بھی اس نقصان کی تلافی کی امید نہیں جو اس چند روزہ زندگی میں مجھ کو اپنی بدکرداری سے پہنچا مگر مجھ کو تین طرح کی تسلی ہے: اول یہ کہ میں مرتا ہوں تائب، نادم، خجل، پشیماں، متاسف، دوسرے یہ کہ سفر عاقبت شروع کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دل سوز اور ہمدرد اور شفیق اور مہربان حال ہیں، تیسرے یہ کہ غالباً میری زندگی دوسروں کے لیے نمونہ عبرت ہو گی کہ اس صورت میں گو اپنی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا لیکن اگر دوسروں کو کچھ نفع پہنچے تو میں ایسی زندگی کو رائگاں اور عبث نہیں کہہ سکتا ع من نہ کردم شما حذر بکنید۔"

الغرض ناول کا عنوان مکمل طور پر نقطۂ نظر پر منطبق نہیں ہوتا ہے لیکن جز و لازم کے طور پر وہ آپس میں مربوط ہیں۔

7.2.6 زبان و بیان:

نذیر احمد کو زبان پر مکمل دسترس تھی۔ ان کے ناول زبان و بیان کے بدولت ہی ہمارے ذہنوں پر چھا جاتے ہیں۔ وہ ہر فرقے، طبقے، پیشے اور منصب کے کردار سے ان کے لب و لہجہ میں گفتگو کراتے ہیں۔ توبۃ النصوح کا جائزہ لیں تو کلیم شاعرانہ گفتگو کرتا نظر آتا ہے اور دولت آباد کے صدر اعظم کے لیے مشکل عربی و فارسی الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ دونوں کی گفتگو کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

کلیم: بندہ ایک غریب الوطن ہے۔ رئیس کی جود و سخا کا شہرہ سن کر مدت سے مشتاق تھا، یہ حال ہے! باقی میری صورتِ سوال ہے۔

صدر اعظم: آپ کی سماعت صحیح لیکن اگرچہ جو صنعت محمود ہے مگر اعتدال شرط ہے۔ شامت اسراف سے غنی باقی نہ رہا فرنگیوں نے حفظ ریاست کی نظر سے رئیس کو ممنوع التصرفات مسلوب الاختیار کر رکھا ہے۔

کلیم: میں طالب گنجینہ نہیں سائل خزینہ نہیں ؎

صدف کو چاہیے کیا ایک قطرہ چشمۂ یم سے
بجھا لیتا ہے اپنی پیاس کام غنچہ شبنم سے

ایک اور نمونہ دیکھیں:

کلیم: بقول غالب ؎

آج مجھ سا نہیں زمانہ میں

شاعر نغز گو و خوش گفتار

صدر اعظم: لیکن انتظامِ جدید کے مطابق ریاست میں کوئی خدمت شاعری باقی نہیں۔

گر سخن گو نہیں تو خاک نہیں

سلطنت ہے عروس بے زینت

صدر اعظم: جو کچھ آپ سمجھیں؟

کلیم: لیکن پر کیا منحصر ہے، حضور بھی تو وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں آپ کی سرکار میں کیا کمی ہے؟

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صدر اعظم: نَعُوذ باللہ المَنان من آفات اللسان (خدا اپنے کرم سے آفاتِ زبان سے بچائے) میں بے چارہ نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں ورنہ فی الحقیقت ایک ذرۂ حقیر ہوں۔

کلیم: یہ حضور کا کسر نفس ہے بقول ظہوری ؎

سرِ خدمت بر آستاں دارد

پائے رفعت بر آسماں دارد

میں بھی اس بلاد ور دست اور دیار اجنبی میں اتفاق سے آنکلا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکار با اقتدار میں، ایک شاعر کی ضرورت بھی ہے جو آپ کے محامد اوصاف کو مشتہر کرکے خیر خواہانِ دولت کو راسخ العقیدت اور دشمنان روسیاہ کو مبتلائے ہیبت کرتا رہے۔

صدر اعظم: یہ آپ کی کریم النفسی ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ مجھ کو اگر ضرورت ہے تو ایسے شخص کی ہے جو مجھ کو میرے عیوب پر مطلع کیا کرے۔

کلیم: اگر مدح و ستائش پسند نہیں ہے تو بندہ وصل و ہجر و شوق و انتظار و ناز و نیاز و واسوخت و رباعی و تاریخ و سجع و چیستاں و معاملہ بندی و تضمین و محاکمہ و رزم و بزم و تشبیہ و استعارات و تجنیس و تمثیلات و سراپا، ہر برح کے مضامین پر قادر ہے۔ جو طرز مرغوب طبع ہو، اسی میں طبع آزمائی کرے گا۔ ؎

رکھتا اگرچہ عیب تعلی سے عار ہوں

بس مغتنم ہوں منتخب روز گار ہوں

نذیر احمد نے مکالماتی اور محاکاتی زبان کو بے تکلفانہ انداز میں برتا ہے۔ وہ خاص طور پر خواتین کے مکالمے لکھنے پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ ان کے غم و غصہ کی حالتوں اور نوک جھونک کی کیفیات کو ان کی زبان اور لب و لہجہ میں بآسانی رقم کرتے ہیں۔ صالحہ اور نعیمہ کے درمیان مختصر مکالمہ کو دیکھیں۔

نعیمہ: آگ لگے اس نماز کو۔ یہ کیا اب گھر میں کسی کو تھوڑا ہی رہنے دے گی۔ یہ تو حمیدہ کے سوائے سبھی کو نکلوائے گی۔

صالحہ: تو کیا آپا تم بڑے بھائی ہی کے واسطے پڑی رو رہی تھیں؟

نعیمہ: مجھ کو تو بے چارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں۔ ان سے پہلے میں آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں۔

صالحہ: توبہ آپا توبہ! کیسی بدفال منھ سے نکالتی ہو کہ خدا پناہ میں رکھے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی بھلے مانس، اشراف کی بہو بیٹی گھر سے نکلے۔

نذیر احمد نے توبۃ النصوح میں کچہری اور عدالت کے ذریعہ میدان حشر کا ایسا عمدہ نقشہ کھینچا ہے کہ وہ بالکل قاری کے نظروں کے سامنے نظر آنے لگتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''حاکم کچہری کچھ اس طرح کا رعب دار ہے کہ باوجودیکہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہے مگر ہر شخص سکوت کے عالم میں ایسا دم بخود بیٹھا ہے کہ گویا کسی کے منھ میں زبان نہیں اور زبان جو کوئی بضرورت بولتا اور بات بھی کرتا ہے تو اس قدر آہستہ کہ کانوں کان خبر نہ ہو۔ اتنی بڑی تو کچہری ہے مگر مختار اور وکیل کسی طرف دیکھنے میں نہیں آتے۔ کچہری کے عملے اس طرح کے کھڑے اور اپنے حاکم سے اتنا ڈرتے ہیں کہ کسی اہل عاملہ اور مقدمے والے کو اپنے پاس تک آنے کے روادار نہیں۔

غرض کیا مجال کہ کوئی اپنے بارے میں ناجائز پیروی کرکے یا روپے پیسے کا لالچ دکھا کر یا سعی سفارش بہم پہنچا کر کار برآری کر سکے۔ اگرچہ حاکم کی ہیبت ادنیٰ، اعلیٰ سب پر چھائی ہوئی ہے مگر اُس کی رحمدلی، منصف مزاجی، معاملہ فہمی، ہمہ دانی کا بھی ہر شخص معتقد ہے۔ اختیارات اس کے اس قدر وسیع ہیں کہ نہ اُس کے فیصلے کی اپیل ہے نہ اس کے حکم مرافعہ۔ کام کرنے کا ایسا اچھا ڈھنگ ہے کہ کام روز کا روز صاف۔ کتنے ہی۔ مقدمے پیشی میں کیوں نہ ہوں ممکن نہیں کہ تاریخ مقررہ پر فیصلے نہ ہو جائیں۔ پھر یہ نہیں کہ کسی مقدمے کو رواروی اور سرسری طور پر تجویز کرکے ٹال دیا جائے۔ نہیں جو حکم صادر کیا جاتا ہے ہر عذر کو رفع، ہر حجت کو قطع، خود مجرم کو قائل معقول کرکے اور گناہگار کے منھ سے اس کی خطا تسلیم کرانے کے بعد۔ غرض جو تجویز ہے موجہ، جو فیصلہ ہے مدلل،

جو رائے ہے حتمی و اذعانی، جو حکم ہے دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔"

ہاں عام طور پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ناولوں میں مشکل اور غیر مانوس الفاظ، امثال، اشعار اور محاورات کو استعمال میں لائے ہیں، یہ اعتراض بے جا ہے کیوں کہ آج ان کی زبان کے ثقیل یا نامانوس ہونے کی بات تو کہی جا سکتی ہے لیکن جن لوگوں کے لیے انہوں نے لکھا تھا اس زمانے میں یہی زبان عام و خاص میں رائج تھی۔

7.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نذیر احمد کے تیسرے ناول 'توبۃ النصوح' کا موضوع تربیت اولاد ہے۔
- نذیر احمد نے ناول کا عنوان قرآن مجید کی آیت یا مثنوی رومیؒ کے واقعہ سے اخذ کیا ہے۔
- ناول کا آغاز دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا کے پھوٹنے سے ہوتا ہے۔
- نصوح کے تین لڑکے ہیں؛ کلیم، علیم، سلیم۔
- ہیضے کی وبا میں نصوح کے گھر کے تین افراد جاں بحق ہو گئے: نصوح کے والد، رشتہ کی خالہ اور گھر کی ماما۔
- ناول کا مرکزی کردار نصوح ہے جو سارے کردار کو مربوط کر رکھا ہے۔
- ناول "توبۃ النصوح" کا پلاٹ اکہرا ہے اور اس کا آغاز انتہائی دل کش و دل آویز ہے، جو قاری کو پوری طرح اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔
- نذیر احمد نے تمثیلی لیکن عمدہ کردار کا انتخاب کیا ہے، خاص طور پر نعیمہ اور کلیم کا کردار، ظاہر دار بیگ اور فطرت تو نذیر احمد کے اعلیٰ تخلیقی کردار ہیں۔
- نذیر احمد کے ناولوں میں عام طور پر ویلن کا کردار ہیرو کے کردار سے زیادہ جاندار نظر آتا ہے۔
- کلیم ایک ضدی، خود سر اور خود پرست انسان ہونے کے ساتھ ادب پرست اور فن شناس ہے۔ وہ تقلید کے بجائے مجتہدانہ صلاحیت کا مالک ہے۔
- ناول توبۃ النصوح میں بیانیہ تکنیک کو اپنایا ہے ساتھ ہی خواب اور خطوط کی جھلک مل جاتی ہے۔
- ناول توبۃ النصوح میں ایک آفاقی تعلیم دی گئی ہے۔
- ناول کا عنوان مکمل طور پر نقطۂ نظر پر منطبق نہیں ہوتا ہے لیکن جزو لازم کے طور پر وہ آپس میں مربوط ہیں۔
- نذیر احمد نے توبۃ النصوح میں کچہری اور عدالت کے ذریعہ میدان حشر کا ایسا عمدہ نقشہ کھینچا ہے کہ وہ بالکل قاری کے نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔
- نذیر احمد نے ہر فرقے، طبقے، پیشے اور منصب کے کرداروں سے انہیں کے لب ولہجہ میں گفتگو کرائی ہے۔

- عام طور پر یہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں مشکل اور غیر مانوس الفاظ، ضرب الامثال، اشعاراور محاورات کواستعمال کیاہے، یہ اعتراض بے جا ہے کیوں کہ آج ان کی زبان کے ثقیل یانامانوس ہونے کی بات تو کہی جاسکتی ہے لیکن جن لوگوں کے لیے انہوں نے لکھاتھااس زمانے میں یہی زبان عام وخاص میں رائج تھی۔

7.4 کلیدی الفاظ

الفاظ		معنی
مربوط	:	جڑاہوا
مصمم	:	پکا، مضبوط
لغزش	:	خطا، غلطی
تائید	:	حمایت، تقویت
خودسر	:	سرکش، ضدی
اعتدال	:	میانہ روی
ممنوع التصرفات	:	جس کو تصرفات سے روک دیا گیاہو
مسلوب الاختیار	:	جس سے اختیار چھین لیا گیاہو
گنجینہ	:	خزانہ
کسرِ نفسی	:	عاجزی، انکساری
دنیاومافیہا	:	دنیااور دنیامیں جوکچھ بھی ہے
مضحکہ خیز	:	مذاق میں ڈالنے والا امر
اجتماع	:	اکھٹاہونایاکرنا
منطبق	:	مطابق آنے والا، مطابقت کیا گیا

7.5 نمونۂ امتحانی سوالات

7.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول توبۃ النصوح کب شائع ہوا؟

(a) 1869 (b) 1874 (c) 1876 (d) 1880

2۔ ناول توبۃ النصوح لکھنے کا مقصد کیا ہے؟

(a) اولاد کی تربیت (b) اولاد کی شادی (c) سماج کی ترقی (d) سماج کی بدحالی

3۔ نصوح کے بڑے بیٹے کا نام کیا ہے؟

(a) علیم (b) سلیم (c) کلیم (d) نعیم

4۔ ناول توبۃ النصوح کا مرکزی کردار کون ہے؟

(a) فہمیدہ (b) حمیدہ (c) جمیلہ (d) نصوح

5۔ توبۃ النصوح نذیر احمد کا کون سا ناول ہے؟

(a) پہلا (b) دوسرا (c) تیسرا (d) چوتھا

6۔ نذیر احمد کے ناولوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a) پانچ (b) سات (c) تین (d) ایک

7۔ ناول توبۃ النصوح میں کس تکنیک کا استعمال نہیں کیا گیا ہے؟

(a) بیانیہ (b) خطوط (c) خواب (d) شعور کی رو

8۔ نصوح کے کتنے بیٹے ہیں؟

(a) سات (b) پانچ (c) تین (d) ایک

9۔ صالحہ نذیر احمد کے کس ناول کا کردار ہے؟

(a) رویائے صادقہ (b) مراۃ العروس (c) ابن الوقت (d) توبۃ النصوح

10۔ "ادب کے سروکار" کس کی کتاب ہے؟

(a) ڈاکٹر صادق (b) سید عبداللہ (c) اعجاز علی راشد (d) احسن فاروقی

7.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول توبۃ النصوح کے پلاٹ پر روشنی ڈالیے۔

2۔ توبۃ النصوح کے متحرک کردار کلیم کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

3۔ ناول توبۃ النصوح کے آفاقی پہلوؤں کو اجاگر کیجیے۔

4۔ ناول توبۃ النصوح کی تکنیک پر اظہار خیال کیجیے۔

5۔ ناول توبۃ النصوح کے زبان وبیان پر روشنی دالیے۔

7.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول ''توبۃ النصوح'' کا فنی جائزہ پیش کیجیے۔

2۔ ناول ''توبۃ النصوح'' کی کردار نگاری پر مضمون قلم بند کیجیے۔

3۔ ناول ''توبۃ النصوح'' کی عصری اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

7.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	ناول کیا ہے؟	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی
2۔	نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر اشفاق محمد خاں
3۔	نذیر احمد کی ناول نگاری	اعجاز علی ارشد
4۔	سر سید اور ان کے نامور رفقاء	سید عبد اللہ
5۔	ادب کے سروکار	ڈاکٹر صادق

7.5.1 کے جوابات:

B۔1	A۔2	C۔3	D۔4	C۔5
D۔6	A۔7	C۔8	D۔9	A۔10

اکائی 8 : توبتہ النصوح : نمونہ متن اور تشریح

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 توبتہ النصوح: نمونہ متن اور تشریح

8.2.1 ناول ''توبتہ النصوح'' کا منتخب متن

8.2.2 ناول ''توبتہ النصوح'' کے منتخب متن کی تشریح

8.3 اکتسابی نتائج

8.4 کلیدی الفاظ

8.5 نمونۂ امتحانی سوالات

8.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

گزشتہ پانچویں اکائی میں ہم نے ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری کی خصوصیات کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد کی دو اکائیوں میں نذیر احمد کے تیسرے ناول ''توبتہ النصوح'' کا موضوعاتی اور فنی نقطۂ نظر سے بھی مطالعہ کیا۔ ''توبتہ النصوح'' کی اہمیت صرف اس لیے نہیں ہے کہ یہ اردو کے پہلے ناول نگار نذیر احمد کا ناول ہے اور اس میں تربیت اولاد کو موضوع بنایا گیا ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس ناول کی زبان اس وقت کے مطابق نہایت ہی آسان، فصیح اور مستند ہے، جسے ہم ٹکسالی زبان بھی کہتے ہیں۔ اس ناول اور ناول میں شامل تہذیب و ثقافت، رسم و رواج اور کرداروں کے رہن سہن اور عادت و اطوار کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ناول کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ لہٰذا اس اکائی میں ہم ناول کے منتخب متن کی قرأت کریں گے اور انتخاب کیے گئے متن کی تشریح کا بھی مطالعہ کریں گے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ''توبتہ النصوح'' کے منتخب متن کی قرأت کر سکیں۔
- ناول ''ت وبتہ النصوح'' کے منتخب متن کی تشریح کر سکیں۔
- وبا سے بچنے کے لیے نصوح نے کون کون سی تدبیریں کی تھیں، اس سے واقف ہو سکیں۔
- فہمیدہ اور اس کی بڑی بیٹی نعیمہ کی نوک جھونک کو سمجھ سکیں۔
- نصوح اور اس کے منجھلے بیٹے کی اصلاحی گفتگو سے استفادہ کر سکیں۔

8.2 توبتہ النصوح: نمونہ متن اور تشریح

8.2.1 ناول ''توبتہ النصوح'' کا منتخب متن:

(i)

اب سے دُور ایک سال دہلی میں ہیضے کا اتنا زور ہوا کہ ایک حکیم بقا کے کوچے سے ہر روز تیس تیس، چالیس چالیس آدمی چھچنے لگے۔ ایک بازارِ موت تو البتہ گرم تھا، ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی، جس طرف نگاہ کرو وحشت اور پریشانی، جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھَوّے سے کھَوّا چھلتا تھا۔ ایسے اجڑے پڑے تھے کہ دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کٹوروں کی جھنکار موقوف، سودے والوں کی پکار بند، ملنا جلنا، اختلاط و ملاقات، آمد و شد، بیمار پرسی اور عیادت، بازدید و زیارت، مہمان داری وضیافت۔ کل رسمیں لوگوں نے اٹھا دیں۔ ہر شخص اپنی حالت میں مبتلا، مصیبت میں گرفتار، زندگی سے مایوس، کہنے کو زندہ پر مردہ سے بدتر، دل میں ہمت نہ پاؤں میں سکت، یا تو گھر میں اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہا، یا کسی بیمار کی تیمار داری کی، یا کسی یار آشنا کا مرنا یاد کر کے کچھ رو پیٹ لیا۔

مرگِ مفاجات حقیقت میں انہیں دنوں کی موت نہ تھی۔ نہ سان نہ گمان، اچھے خاصے، چلتے پھرتے، یکا یک طبیعت نے مالش کی، پہلی ہی کلی میں حواسِ خمسہ مختل ہو گئے۔ اِلّا مَاشَآءَاللہ کوئی جزئی بچ گیا تو بچ گیا، ورنہ جی کا متلانا اور قضائے مبرم کا آجانا، پھر وصیت کرنے تک کی مہلت نہ تھی۔ ایک پاؤ گھنٹے میں تو بیماری، دوا، دعا، جانکنی اور مرنا سب کچھ ہو چکا تھا۔ غرض کچھ اس طرح کی عالم گیر وبا تھی کہ گھر گھر اس کا رونا پڑا تھا۔ دو پونے دو مہینے کے قریب وہ آفت شہر میں رہی۔ مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کچھ ادھیا سا گیا۔ صدہا عورتیں بیوہ ہو گئیں، ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ جس سے پوچھو شکایت، جس سے سنو فریاد۔ مگر ایک نصوح جس کا قصہ ہم اس کتاب میں لکھنے والے ہیں کہ عالم شاکی تھا، اور وہ اکیلا شکر گزار۔ دنیا فریادی تھی اور وہ تنہا مدّاح۔ نہ اس سبب سے کہ اس کو اس آفت سے گزند نہیں پہنچا۔ خود اس کے گھر میں بھی اکٹھے تین آدمی اس وبا سے تلف ہوئے۔ اچھی خاصی طرح گھر بھر رات کو سو کر اٹھے؛ نصوح نمازِ صبح کی نیت باندھ چکا تھا؛ باپ بیٹھے وضو

کر رہے تھے؛ مسواک کرتے کرتے اُبکائی آئی؛ ابھی نصوح دو گانہ فرض ادا نہیں کر چکا تھا، سلام پھیر کر دیکھتا کیا ہے کہ باپ نے قضا کی۔ ان کو مٹی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالہ تھیں، ان کو جاں بحق تسلیم پایا۔ تیسرے دن گھر کی ماما رخصت ہوئیں۔

مگر نصوح کی شکر گزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا۔ اس کا مقولہ یہ تھا کہ ان دنوں لوگوں کی طبیعتیں بہت کچھ درستی پر آ گئی تھیں۔ دلوں میں رقّت و انکسار کی وہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت سے پیدا ہونی دشوار ہے۔ غفلت کو ایسا کاری تازیانہ لگا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائضِ مذہبی ادا کرنے میں سرگرم تھا۔

جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی، وہ بھی پانچوں وقت سے پہلے مسجد میں آموجود ہوتے تھے۔ جنہوں نے بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا، ان کا اشراق و تہجد تک قضا ہونے پاتا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی، تعلقات زندگی کی ناپایداری سب سے دل پر منقّش ہو گئی تھی۔ لوگوں کے سینے صلح کاری کے نور سے معمور تھے۔ غرض اُن دنوں زندگی اس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث زندگی کا نمونہ تھی، جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔

نصوح یوں ہی دل کا کچا تھا۔ جب اس نے ہیضے کی اوّل اوّل گرم بازاری سنی، سرد ہو گیا اور رنگت زرد پڑ گئی۔ باسبابِ ظاہری جو جو تدبیریں انسداد کی تھیں، سب کیں۔ مکان میں نئی قلعی پھروادی؛ پاس پڑوس والوں کو صفائی کی تاکید کی، گھر کے کونوں میں لوبان کی دھونی دے دی، طاقوں میں کافور رکھوا دیا؛ جابجا کوئلہ ڈلوا دیا؛ باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں ذرا نمک تیز رہا کرے؛ پیاز اور سرکہ دونوں وقت دستاخوان پر آیا کرے۔ گلاب، نارجیل دریائی، بادیان، تمر ہندی وغیرہ جو جو دوائیں یونانی طبیب اس مرض میں استعمال کرتے ہیں، تھوڑی تھوڑی سب بہم پہنچالیں، تاکہ خدانخواستہ ضرورت کے وقت کوئی چیز ڈھونڈھنی نہ پڑے۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دوائیں بھی فراہم کیں۔ کالرا پِل کی گولیاں تو وہیں کوتوالی سے لے لیں۔ کالرا ٹنکچر الہ آباد مڈیکل ہال سے روپیہ بھیج کر منگوا رکھا تھا۔ آگرے سے ایک دوست کی معرفت کلوروڈائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ بنارس میں ایک بنگالی اس بیماری کا حکمی علاج کرتا ہے اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موعود ہے، اس کا دعوے دار ہوا ہے۔ چٹھی لکھ کر اس کی دوا بھی طلب کی۔ نصوح کو ایک وجہِ تسلی یہ بھی تھی کہ ایک طبیبِ حاذق اسی کے ہمسائے میں رہتا تھا۔ رُو سیاہ ہیضے کے توڑنے کے واسطے اتنا سامان وافر موجود تھا، مگر آخر نصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہی رہیں، دینے اور پلانے کی نوبت بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں سسکیاں لینے لگے۔ وہ رشتے کی خالہ کچھ تھوڑی دیر سنبھلی تھیں، لیکن وہ کچھ ایسی زندگی سے سیر تھیں کہ انہوں نے خود خبر کرنے میں دیر کی۔ غرض دوا ان کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ ماما نے البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں ڈھکوسیں، مگر اس کی عمر ہو چکی تھی۔ اوّل اوّل نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی سا تکیہ ہوا تھا، مگر جب وبا کا بہت زور ہوا اور خود اسی کے گھر میں تابڑ توڑ ایک چھوڑ تین تین موتیں ہو گئیں تو ناچار تن بہ تقدیر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا۔ غرض پورا ایک چلّہ شہر پر سختی و مصیبت کا گذرا۔ نہیں معلوم کتنے گھر غارت ہوئے، کس قدر خاندان تباہی میں آ گئے۔ یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک نے ہیضہ کیا۔ کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی اور نمازِ جمعہ کے بعد دیکھتے

ہیں تو جنازہ جامع مسجد کے صحن میں رکھا ہے۔ یوں تو ہزار آدمی شہر میں تلف ہوئے، مگر عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی اوّل تو ان کی ٹکر کا شہر میں کوئی رئیس نہ تھا، دوسرے ان کی ذات سے غریبوں کو بہت فائدہ پہنچتا تھا۔ گو اُن کے مرنے کا گھر، گھر ماتم تھا، لیکن لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ بس اب خدا نے ٹھنڈک ڈالی، کیوں کہ معتقداتِ عوام میں یہ بھی کہ وبا کسی بڑے رئیس کی بھینٹ لیے نہیں جاتی۔ خیر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہو، یوں بھی شورش بہت کچھ فرد ہو چکی تھی اور امن و امان ہو تا جاتا تھا۔ لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں، اور دنیا کا کاروبار پھر جاری ہو چلا۔

(ii) فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

اِدھر تو نصوح اور سلیم دونوں باپ بیٹوں میں گفتگو ہو رہی تھی، اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھَوڑ ہو گئی۔ نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی، پانچ مہینے کا پہلوٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی نانی کی چہیتی، ماں کی لاڈو مزاج کچھ قدرتی تیز، ماں باپ کے لاڈ پیار سے وہی کہاوت ہے۔ کریلا اور نیم چڑھا، اور بھی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں کیوں گذر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ منھ کھلا اور منھ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر رسی جلی، پر بل نہ گیا۔ باوجود یہ کہ اجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی، مزاج میں وہی طنطنہ تھا۔ کنوارے پنے میں سَوا گز کی زبان تھی۔ کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا؛ سو بیاہے سے ان کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی؛ مردوں تک کا لحاظ اٹھا دیا۔

فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھاتے تو اٹھا لیا تھا، لیکن نعیمہ کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گی۔ سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی، مگر نعیمہ کی شکل پر نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ماں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی۔ نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے بچہ حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ منھ دھونے میں مصروف ہوئی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے، بچے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچہ کس اکھل کُھری ماں کا تھا۔ بٹھلانا تھا کہ بلبلا اٹھا۔ آواز سن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دور سے دَوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دو ہتھڑ ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدے میں جا گری۔ اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی، تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لیے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی ٹلّلی جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تم کو نماز پڑھتی چھوڑ گئی تھی، اتنی ہی دیر میں یہ ہوا، تو کیا ہوا۔ دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی!

حمیدہ بیچاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اٹھی کہ اے بی، ہوا کیا! ذرا کی ذرا، لڑکے کو دے کر، میں منہ دھونے چلی گئی۔ اس نکمّی سے اتنا نہ ہو سکا کہ ذرا لڑکے کو لیے رہے۔ آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی۔ لڑکے کو بلکتا ہوا الٹا، نیت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی، تو ذرا ہَولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام سے گر پڑی۔ کہیں تخت کی کیل لگ گئی ہو گی۔

ماں: اچھاتم نے ہَولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سفید ہو گئے ہیں۔

نعیمہ: لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی!

ماں: لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا، اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔

نعیمہ: بلا سے، صدقے سے، نماز کو جانے دیا ہوتا۔ نماز پیاری تھی یا بھانجا؟

ماں: لڑکی! ڈر خدا کے غضب سے! کیا کفر بک رہی ہے؟ اس حالت کو تو پہنچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی۔

نعیمہ: خدا نہ کرے میری کون سی حالت تم نے بُری دیکھی؟

ماں: اس سے بدتر حالت اور کیا ہو گی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔

نعیمہ: وہ جنم جلا گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے؟

ماں: ہاں بیٹی! سچ ہے۔ میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی۔ مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اجڑی ہوئی ان کے گھر گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔

نعیمہ: کیا جانیں، ہم کو تو آنکھ میچ کر کنویں میں ڈھکیل دیا تھا۔ سو پڑے ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔

ماں: خیر بیٹی! اللہ رکھے تمہارے آگے بھی اولاد ہے۔ اب تم سمجھ بوجھ کر ان کی شادی کرنا۔

نعیمہ: کریں ہی گے۔ نہ کریں گے تو کیا تمہارے بھروسے بیٹھے رہیں گے۔

ماں: میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا۔ بڑا بھروسا خدا کا۔

نعیمہ: کیسا خدا! بھروسا اپنے دم قدم کا۔

ماں: یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے۔ اب کی تو نے اس طرح کی بات منہ سے نکالی اور بے تامّل میں تڑوے سے طمانچہ تیرے منہ پر کھینچ ماروں گی۔

نعیمہ: سچ کہنا۔ بڑی بیچاری مارنے والیں، مارو اپنی چہیتی کو، مارو اپنی لاڈو کو۔

ماں: کیسی چہیتی، کیسی لاڈو! وربان کی تھی وہ اولاد، جو خدا کو نہ مانے۔

نعیمہ: یہ کب سے؟

ماں: جب سے خدا نے ہدایت دی۔

نعیمہ: چلو، خیر جب ہم بھی تمہاری عمر کو پہنچے گے، تو بہتیرا خدا کا ادب کر لیں گے۔

ماں: آپ کو خیر سے غیب دانی میں بھی دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔

(iii) نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نمازِ عصر سے فارغ ہو کر منجھلے بیٹے علیم کو پچھوایا کہ دیکھو مدرسے سے آئے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ ابھی آئے ہیں، اور کپڑے اتار رہے ہیں، تو کہلا بھیجا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا کی دیر میرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں علیم مدرسے کا لباس اتار،

کتابیں ٹھکانہ سے رکھ، باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا:

”آؤ صاحب! آج کل تو میں نے سنا ہے، تم کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔“

بیٹا: امتحان ششماہی قریب ہے، اسی کے واسطے کچھ طیّاری کر رہا ہوں۔ دن تھوڑے سے رہ گئے، اور کتابیں دیکھنے کو بہت باقی ہیں۔ ہر چند ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتاب دیکھا کروں، مگر نہیں بن پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آکر بیٹھتے ہیں ایسی اُودھم مچاتے ہیں کہ طبیعت اچاٹ ہوئی چلی جاتی ہے۔

باپ: پھر تم اس کا کچھ انسداد نہیں کرتے؟

بیٹا: اس کا انسداد میرے اختیار سے خارج ہے؛ اور رات رایگاں جاتی ہے۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا ہی چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی اور اپنے کسی ہم جماعت کے یہاں چلا گیا۔

باپ: اور بڑے امتحان کے واسطے بھی تم کچھ طیّاری کر رہے ہو؟

بیٹا: ابھی اس کے بہت دن پڑے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر دیکھا جائے گا۔

باپ: کیا اس کا کوئی وقت مقرر ہے؟

بیٹا: جناب! ہاں، بڑے دن کی تعطیل کے قریب ہوا کرتا ہے۔

باپ: نہیں، نہیں! تم نے میری مراد کو نہیں سمجھا۔ میں حسابِ آخرت کو بڑا امتحان کہتا ہوں۔ کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہے؟

بیٹا: کیوں نہیں! سچ پوچھیے تو سب سے بڑا سخت امتحان وہی ہے۔

باپ: تو میں جب تمہارے ان دنیوی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں، تو کیا اس بڑے سخت امتحان کی نسبت میں نے تم سے پوچھا۔ تو کچھ بیجا کیا؟

بیٹا: جناب! میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بیجا کیا۔ ایسا کہنا میرے نزدیک گستاخی اور گناہ دونوں ہے۔

باپ: اچھا تو میں سننا چاہتا ہوں کہ تم اس بڑے سخت امتحان کے واسطے کیا طیّاری کر رہے ہو؟

بیٹا: جناب! سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس امتحان کے واسطے مطلق طیّاری نہیں کی۔

باپ: کیا یہ غفلت نہیں ہے؟

بیٹا: جناب! غفلت بھی پرلے درجے کی غفلت ہے۔

باپ: لیکن جب تم ایسے دانش مند ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کے لیے مہینوں اور برسوں پہلے سے طیّاری کرتے ہو، تو اس سخت امتحان سے غافل رہنا بڑے تعجب کی بات ہے!

بیٹا: شامتِ نفس۔

باپ: لیکن تمہاری غفلت کا کچھ اور بھی سبب ضرور ہو گا۔

بیٹا: سبب یہی ہے، میری سہل انگاری۔

باپ: تم جواب دیتے ہو، لیکن صرف لفظوں کو پھیر پھار کر۔ میں تم سے غفلت کا سبب پوچھتا ہوں اور تم نے کہا کہ سہل انگاری۔ اور سہل انگاری اور غفلت ایک چیز ہے۔ تو گویا تم نے غفلت کو غفلت کا سبب کہا۔

بیٹا: شاید گھر میں دینداری کا چرچا نہ ہونے سے میری غفلت کو ترقی ہوئی ہو!

باپ: بیشک! یہی سبب ہے تمہاری غفلت کا۔ اور میں نے تم سے کھود کھود کر اسی لیے دریافت کیا کہ جہاں تک تمہاری غفلت میری بے پروائی کی وجہ سے ہے، اس کا الزام مجھ پر ہے۔ اور ضرور ہے کہ میں تمہارے روبرو اس کا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو۔

بیٹا: نہیں، جناب! قصور سراسر میرا ہے۔ مجھ کو خدا نے اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل دی تھی کہ مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے، اور میرے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ میں جانوروں کی طرح کھانے اور پانی سے اپنا پیٹ بھر کر سو رہا کروں۔

باپ: تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری دینی معلومات بھی کم درجہ کی نہیں ہے، لیکن نہ تو دین کے مسائل پر میں نے تم کو خود سکھائے نہ ان کے سیکھنے کی کبھی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ و جغرافیہ و ہندسہ و ریاضی کے سوائے کوئی دوسری چیز پڑھاتے نہیں، پھر دینی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کی؟

بیٹا: اس میں شک نہیں کہ میں نے چھوٹی عمر میں قرآن پڑھا تھا، لیکن وہ دوسرے ملک کی زبان ہے۔ طوطے کی طرح اوّل سے آخر تک پڑھ گیا۔ مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور کیا اس کا مطلب ہے۔ پھر مکتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا؛ قصے کہانی، ان میں بھی اکثر بری بری باتیں۔ یہاں تک کہ جن دنوں میں "بہار دانش" پڑھتا تھا، ایک پادری صاحب "چاندنی چوک" میں سرِبازار وعظ کہا کرتے تھے۔ مکتب سے آتے ہوئے، لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر، میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ رہتا تھا اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے مکتب کے کئی لڑکے بھی کتابیں لائے تھے۔ انہوں نے کتاب کی جلد تو اکھاڑ لی اور ورقوں کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیا، یا پٹھے بنائے۔ کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھ کو بھی لالچ آیا اور میں نے کہا چلو، ہم بھی پادری صاحب سے کتاب مانگیں۔۔۔ میں نے کہا؛
"آپ سب لوگوں کو کتابیں دیتے ہیں، ایک کتاب مجھ کو بھی دیجیے۔"

پادری صاحب: بہت خوب! اس الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کر لو۔

میں نے سنہری جلد کی ایک بڑی موٹی کتاب چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا: "مجھ کو اس کے دینے میں کچھ عذر نہیں، لیکن تم اس کو پڑھ سکو گے؟ کون سی کتاب پڑھتے ہو؟"

میں: "بہارِ دانش۔"

8.2.2 ناول ”توبتہ النصوح“ کے منتخب متن کی تشریح:

گزشتہ اکائیوں میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ناول ”توبتہ النصوح“ جملہ بارہ فصلوں (ابواب) پر مشتمل ہے۔ اس اکائی میں ہم نے انہیں فصلوں میں سے تین فصلوں کے منتخب متن کی قرأت کی۔ اب ہم انہیں منتخب متن کی تشریح کا مطالعہ کریں گے۔

اس اکائی کا پہلا انتخاب ناول کی پہلی فصل یعنی پہلے باب سے ماخوذ ہے۔ اس فصل میں ہیضے کی وبا پھیلنے کا ذکر ہے۔ جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

> ”ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی۔ نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہے۔ یاس کے عالم میں اُس کو مواخذۂ عاقبت کا تصور بندھا۔ ڈاکٹر نے اس خواب آور دوا دی تھی۔ سو گیا تو تصور اُس کو خوابِ موحّش بن کر نظر آیا۔“

ہیضے سے شہر دہلی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ایک حکیم کے پاس تیس تیس چالیس چالیس مریض روز پہنچتے تھے۔ شہر میں چاروں طرف موت کا بازار گرم تھا۔ حکیم اور داکٹروں کے علاوہ شہر میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف وحشت اور پریشانی کا قبضہ تھا۔ جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک لوگ کندھے سے کندھے ملا کر چلتے تھے وہ ایسا اجڑ گیا تھا کہ دوپہر کے وقت بھی وہاں جاتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا تھا۔ ہر طرح کے رسم رواج بند ہو گئے اور ہر کوئی اپنی ہی مصیبت میں مبتلا تھا۔ لوگ اپنے چارپائی پر پڑے رہتے اگر انہیں کچھ یاد بھی آتا تو صرف لوگوں کی بیماری اور موت۔ اسی کو یاد کر کے رو لیا کرتے تھے۔

دراصل بے وقت کی موت صرف انہیں دنوں کی موت نہیں تھی۔ لوگ چلتے پھرتے یکایک بیمار ہوتے اور انتقال کر جاتے۔ اِلّا مَاشَاءَ اللہ اگر بیمار میں سے کوئی ایک بچ جاتا تو بچ جاتا ورنہ پیشتر لوگ موت کو گلے لگا لیتے۔ کچھ لمحوں میں بیماری، دعا، دوا اور موت سب کچھ ہو جاتا۔ اسی طرح پور شہر تقریباً دو مہینے تک اس وبا میں مبتلا رہا، مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کی آبادی آدھی ہو گئی۔ سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ محض ایک نصوح جس کا قصہ اس ناول میں بیان کیا گیا ہے وہی ایک اللہ کا شکر گزار تھا۔ پورا شہر فریادی تھا اور اکیلا نصوح مداح تھا۔ جب کہ خود اس کے گھر میں اس وبا سے تین تین اموات ہوئی تھیں۔ ایک نصوح کا باپ، اس کی خالہ اور اس کے ماما۔ یہ سبھی ہیضے کی وبا میں تلف ہو گئے۔

لیکن نصوح کی شکر گزاری کی وجہ کچھ اور تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ ان دنوں لوگوں کی طبیعت بہتر ہو رہی ہے۔ ہیضے سے معاشرے میں زبردست تبدیلی آئی تھی۔ جن لوگوں نے کبھی رمضان میں بھی نمازیں نہیں پڑھیں تھی وہ لوگ بھی پانچ وقت کے نمازی ہو گئے تھے۔ جن حضرات نے کبھی بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا، ہیضے کے بعد ان لوگوں کا تہجد اور اشراق جیسے نمازیں بھی قضا نہیں ہوتی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے کا بہت خیال رکھنے لگے تھے۔ جن لوگوں میں ناراضگی تھی وہ لوگ صلح کر لیے تھے۔ گویا ان دنوں لوگوں کی زندگی پاکیزہ،

مقدس اور بے لوث ہو گئی تھی۔ مذہم اسلام دراصل اپنے ماننے والوں کو یہی تعلیم دیتا ہے۔

نصوح ویسے بھی دل کا کمزور شخص تھا۔ جب اس نے پہلے پہل ہیضے کی وبا کے بارے میں سنا تھا تو اس وہ سر دپڑ گیا تھا اور اسکی رنگت بھی پیلی پڑ گئی تھی۔ وبا سے بچنے کے لیے اس سے جو بن پائی تھی، ساری تدبیریں کر ڈالیں۔ اپنے مکان میں نئی قلعی کروادی۔ پاس پڑوس والوں کو صفائی کا خاص خیال رکھنے کے لیے کہہ دیا۔ اپنے گھر کے ہر کونے پر لوبان سلگا دیا۔ ہر طاق میں کپور رکھوادیا۔ جگہ جگہ کوئلہ بھی رکھوا دیا۔ اپنے باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں نمک تھوڑا تیز رکھا کرے۔ پیاز اور سرکہ ہر وقت دستر خوان پر رہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ گلاب، نارجیل دریائی، بادیان، تمر ہندی (اِملی) وغیرہ، جو جو دوائیں داکٹر اس مرض میں استعمال کرتے ہیں، ساری تھوڑی تھوڑی منگوالیں۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگھریلو نسخوں کے ساتھ ساتھ انگریزی اور یونانی دوائیں بھی منگوالیں۔ ان دواؤں کو حاصل کرنے کے لیے نصوح نے بہت سارے جتن کیے۔

اس کے باوجود نصوح نے اپنے قریبی لوگوں کی جان نہیں بچا پاتا۔ اس کے باپ کی موت آتی ہے تو دوا دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ اتنا موقع ہی نہیں ملا تھا کہ انہیں دوا دی جاتی یا پلائی جاتی۔ رشتے کی خالہ جو تھیں وہ کچھ دیر کے لیے سنبھلی تھیں، لیکن انہوں نے کسی کو خبر ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے انہیں بھی دوا نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ ماما نے ہر طرح کی دوائیں مثلاً انگریزی، یونانی دوائیں کھائی تھیں، لیکن ان کی عمر ہو چکی تھی، لہٰذا وہ بھی بچ نہ سکے۔

غرض پورا ایک چلہ شہر دہلی پر سختی اور مصیبت کا گزرتا ہے۔ اس وبا میں نہ معلوم کتنے گھر برباد ہوئے۔ نہ جانے کتنے خاندان ختم ہو گئے۔ یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک بھی ہیضے میں ختم ہو گئے۔ یوں تو اس وبا میں ہزاروں آدمی تلف ہوئے، لیکن عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی۔ اول تو یہ کہ ان کی ٹکر کا کوئی بھی رئیس شخص شہر میں نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کی ذات سے غریبوں کو بہت فائدہ پہنچتا تھا۔ اس لیے ان کے انتقال سے ہر گھر میں ماتم چھا گیا تھا۔ لیکن عوام کو ایک اطمینان بھی ہو گیا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ وبا کسی بڑے شخص کو لیے بغیر ختم نہیں ہو گی۔ لوگوں کی سمجھ اپنی جگہ، لیکن نواب عمدۃ الملک کے انتقال کے بعد شہر میں اموات کم ہونے لگیں اور دھیرے دھیرے وبا کا زور بھی ختم ہو گیا۔ لوگ اپنی کام کاج کی طرف لوٹنے لگے۔ انہوں نے اپنی دکانیں کھولنی شروع کر دیں اور دنیا کا کاروبار پھر سے چلنے لگا۔

دوسرا انتخاب ناول کے پانچویں باب سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا عنوان "فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی" ہے۔ جس وقت ایک طرف نصوح اور سلیم سے گفتگو ہو رہی ہوتی اسی وقت دوسری طرف فہمیدہ اور اس کی بڑی بیٹی نعیمہ میں لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نعیمہ کی شادی کو دو سال گزر چکے ہوتے ہیں اور اس کی گود میں پانچ مہینے کا ایک بیٹا رہتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اپنی ماں کے یہاں چلی آتی ہے۔ نعیمہ گھر کی بڑی بیٹی تھی اس لیے اسے بہت ناز و نعم میں پلی تھی۔ یعنی ماں باپ کے پیار نے اسے

نہ چاہتے ہوئے بھی بگاڑ دیا تھا۔ ایک کہاوت مشہور ہے کہ کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا۔ یہ کہاوت نعیمہ کے مزاج کے مطابق اس پر پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے۔ سسرال میں اس کی ساس اور نند سے بالکل نہیں جمتی تھی۔ اوپر سے وہ وہاں گھونگھٹ تو دور سر پر دوپٹہ بھی نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے بھی اس کا سسرال آنا جانا بند ہو گیا تھا۔ چھ مہینے سے ماں کے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی، اس کے باوجود اس کو عقل نہیں آئی تھی۔ اس کے مزاج میں وہی طنطنہ تھا۔ شادی سے پہلے اس کی زبان سوا گز کی تھی، جو شادی کے بعد بھی نہیں بدلی۔

فہمیدہ یعنی نعیمہ کی ماں نے نصوح کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹوں کا نخرا اٹھالیا تھا، لیکن نعیمہ کے کارنامے سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ اگر اسے کو چھیڑوں گی تو یہ اودھم مچادے گی۔ یہی سوچ کر وہ کچھ نہیں بولتی تھی۔ پھر وہ سوچتی ہے کہ موقع و محل دیکھ کر اسے میں سمجھاؤں گی، لیکن وہ خود ہی ماں سے لڑنے لگتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ نعیمہ اپنے بچے کو سویرے سویرے اپنی چھوٹی بہن حمیدہ دے کر ہاتھ منھ دھونے چلی جاتی ہے۔ جب حمیدہ دیکھتی ہے کہ نماز کا وقت نکلتا جا رہا ہے تو اس نے بچے کو بٹھا کر نماز پڑھنے لگتی ہے۔ بچے کو بٹھانا تھا کہ وہ رونے لگا۔ اس کی رونے کی آواز سن کر نعیمہ دوڑی ہوئی آئی تو دیکھا کہ بچہ زمین پر ہے اور حمیدہ نماز پڑھ رہی ہے۔ وہ حمیدہ کو اس تنی زور سے مارتی ہے کہ وہ رکوع سے پہلے سجدے میں چلی جاتی ہے۔ اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے باہر گئی ہوئی ہوتی ہے۔ جب آتی ہے تو دیکھتی ہے کہ حمیدہ چبوترے پر سر جھکائے بیٹھی ہے اور اس کے ناک سے خون بہہ رہا ہے۔ وہ گھبرا جاتی ہے اور پوچھتی ہے تو میں تم کو نماز پڑھتی چھوڑ گئی تھی، اتنی ہی دیر میں تجھے کیا ہو گیا۔ دیکھوں کہیں تجھے نکسیر تو نہیں ہو گیا ہے۔

حمیدہ ابھی کچھ بولی بھی نہیں تھی کہ نعیمہ خود بول اٹھی بچے کو اسے دے کر ذرا دیر کے لیے منھ دھونے چلی گئی، اتنی دیر بھی یہ اسے گود میں نہ لے سکی۔ زمین پر بٹھا کر نماز پڑھنے لگی۔ میں تو آئی تو اس کے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھا اور یہ دھڑام سے گر گئی۔ شاید اس کو تخت کی کیل لگ گئی ہو گی۔ اس کے بعد فہمیدہ اور نعیمہ میں مزید مکالمے شروع ہو جاتے ہیں اور دونوں میں خوب بحث ہوتی ہے۔

اکائی کا تیسرا انتخاب ناول کے فصل ششم (چھٹے باب) سے لیا گیا ہے، جس کا عنوان "نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو" ہے۔ اس باب میں نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو کے ذریعے لڑکوں کی تربیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس باب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ نصوح عصر کی نماز کے بعد اپنے منجھلے بیٹے کے بارے میں پوچھتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ گھر آ گیا ہے اور کپڑے تبدیل کر رہا ہے۔ اس پر نصوح کہلوا دیتا ہے کہ جب وہ فارغ ہو جائے تو اسے میرے پاس بھیج دو۔ اس کے آنے پر دونوں میں اصلاحی گفتگو شروع ہوتی ہے۔

علیم کے آتے ہی نصوح اس سے کہتا ہے کہ آؤ صاحب میں نے سنا ہے آج کل تمہیں بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ نصوح کے سوال پر علیم کہتا ہے کہ ششماہی امتحان قریب ہے اسی کی تیاری میں مصروف ہوں۔ وقت کم ہے اور پڑھنا بہت زیادہ ہے۔ ہر روز ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر تھوڑا بہت پڑھ لوں، لیکن نہیں پڑھ پا رہا ہوں۔ لوگ بھائی جان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایسی اودھم مچاتے ہیں کہ پڑھائی میں من ہی نہیں لگتا۔ اسی طرح دونوں میں ایک لمبی گفتگو ہوتی ہے، جس سے یہ نتیجہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ علیم نصوح کے بڑے بیٹے کلیم

کے مقابلے بہت نیک ہے اور وہ برائی کے قریب بالکل نہیں جاتا۔ وہ اپنا پورا وقت پڑھائی ہی میں صرف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ کتابوں کا بھی بہت شوق سے مطالعہ کرتا ہے۔

8.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- "توبتہ النصوح" کی اہمیت صرف اس لیے نہیں ہے کہ یہ اردو کے پہلے ناول نگار نذیر احمد کا ناول ہے اور اس میں تربیت اولاد کو موضوع بنایا گیا ہے۔
- اس ناول کی اہمیت اس لیے ہے کہ اس ناول کی زبان اس وقت کے مطابق نہایت ہی آسان، فصیح اور مستند ہے، جسے ہم ٹکسالی زبان بھی کہتے ہیں۔
- اس ناول کے منتخب متن کے مطالعہ سے ناول میں شامل تہذیب و ثقافت، رسم و رواج اور کرداروں کے رہن سہن اور عادت و اطوار کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ناول کے اسلوب کو سمجھنے میں مدد ملی۔
- ناول "توبتہ النصوح" جملہ بارہ فصلوں (ابواب) پر مشتمل ہے۔ اس اکائی میں ہم نے انہیں فصلوں میں سے تین فصلوں کے منتخب متن کا مطالعہ کیا۔
- اس اکائی کا پہلا انتخاب ناول کی پہلی فصل یعنی پہلے باب سے ماخوذ ہے۔ اس فصل میں ہیضے کی وبا پھیلنے کا ذکر ہے۔ ہیضے سے شہر دہلی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ایک حکیم کے پاس تیس تیس چالیس چالیس مریض روز پہنچتے تھے۔ شہر میں چاروں طرف موت کا بازار گرم تھا۔
- اس وبا میں محض ایک نصوح جس کا قصے اس ناول میں بیان کیا گیا ہے وہی ایک اللہ کا شکر گزار تھا۔ پورا شہر فریادی تھا اور اکیلا نصوح مداح تھا۔ جب کہ خود اس کے گھر میں اس وبا سے تین تین اموات ہوئی تھیں۔ ایک نصوح کا باپ، اس کی خالہ اور اس کے ماما۔ یہ سبھی ہیضے کی وبا میں تلف ہو گئے۔
- اس اکائی کا دوسرا انتخاب ناول کے پانچویں باب سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا عنوان "فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی" ہے۔
- یہ اس وقت کی بات ہے جب نعیمہ کی شادی کو دو سال گزر چکے ہوتے ہیں اور اس کی گود میں پانچ مہینے کا ایک بیٹا رہتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اپنی ماں کے یہاں چلی آتی ہے۔
- اس اکائی کا تیسرا انتخاب ناول کے فصل ششم (چھٹے باب) سے لیا گیا ہے، جس کا عنوان "نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو" ہے۔
- اس باب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ نصوح عصر کی نماز کے بعد اپنے منجھلے بیٹے کے بارے میں پوچھتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ گھر آ گیا ہے اور کپڑے تبدیل کر رہا ہے۔ اس پر نصوح کہلوا دیتا ہے کہ جب وہ فارغ ہو جائے تو اسے میرے پاس بھیج دو۔ اس کے آنے پر دونوں میں اصلاحی گفتگو شروع ہوتی ہے۔

8.4 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معنی
چھیجنا	:	جان سے جانا، ختم ہونا
وحشت	:	گھبراہٹ، خوف، ڈر، ہیبت
کھوّے سے کھوّا	:	کندھے سے کندھا
اختلاط	:	خلط ملط ہونے کی کیفیت، میل جول
آمدو شد	:	آمدورفت، آنا جانا
اٹوانٹی کھٹوانٹی	:	کھاٹ کھٹولا، اوڑھنا بچھونا، بوریا بستر ا
مرگِ مفاجات	:	بے وقت کی موت، وہ موت جو اچانک آجائے
حواسِ خمسہ	:	پانچ ظاہری حواس (باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ)
مبرم	:	کسی چیز کو مضبوط کرنا
گزند	:	دکھ، تکلیف، رنج، مصیبت
اشراق	:	سورج کے نکلنے سے پہلے کا وقت، وہ نماز جو سورج کے نکلنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔
تہجد	:	وہ نفل نماز جو فجر سے پہلے اور آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے۔
منقّش	:	بیل بوٹے دار، جس پر نقش ابھارے گئے ہوں
انسداد	:	روک تھام کرنا، بندش
سہل انگاری	:	غفلت، لاپروائی
قطع	:	زمین کا ٹکرا (مزاجاً محلہ)
نکسیر	:	ایک مرض، جس میں ناک سے خون جاری ہوتا ہے

8.5 نمونۂ امتحانی سوالات

8.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول "توبۃ النصوح" کتنے ابواب پر مشتمل ہے؟

(b) چار (b) آٹھ (c) دس (d) بارہ

2۔ ناول ''توبۃ النصوح'' میں کس شہر کا ذکر ہے؟

(a) دہلی (b) کلکتہ (c) آگرہ (d) ممبئی

3۔ ناول میں کس وبا کے پھیلنے کا ذکر کیا گیا ہے؟

(a) پلیگ (b) ہیضہ (c) ڈائریہ (d) کووِڈ

4۔ نصوح کے منجھلے بیٹے کا نام کیا ہے؟

(a) کلیم (b) سلیم (c) علیم (d) نعیم

5۔ نصوح کی بیوی کا نام کیا ہے؟

(a) فہمیدہ (b) نعیمہ (c) نسیمہ (d) حمیدہ

6۔ علیم مکتب میں کون سی کتاب پڑھتا تھا؟

(a) بہارِ دانش (b) کتابِ دانش (c) دین و دانش (d) دانش اردو

7۔ ''فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی'' کو کس باب میں پیش کیا گیا ہے؟

(a) دوسرے (b) چوتھے (c) پانچویں (d) آٹھویں

8۔ ''کھوّے سے کھوّا'' کا کیا مطلب ہے؟

(a) کندھے سے کندھا (b) ہاتھ سے ہاتھ (c) پیر سے پیر (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ علیم نے پڑھنے کے لیے کس سے کتاب مانگی تھی؟

(a) مولوی سے (b) پنڈت سے (c) پادری سے (d) استاد سے

10۔ ہیضے سے نصوح کے گھر کے کتنے آدمی تلف ہوئے تھے؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) ایک

8.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ناول ''توبۃ النصوح'' میں ہیضے کی وبا کو کس طرح پیش کیا گیا ہے؟ بیان کیجیے۔

2۔ ناول ''توبۃ النصوح'' کے حوالے سے دہلی کے حالات کو پیش کیجیے۔

3۔ نعیمہ اور اس کی ماں کی گفتگو پر اظہارِ خیال کیجیے۔

4۔ نصوح کے احتیاطی تدابیر کو قلم بند کیجیے۔

5۔ اکائی میں شامل دوسرے انتخاب کا خلاصہ لکھیے۔

8.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ اکائی میں شامل منتخب متون کی تشریح پیش کیجیے۔

2۔ نصوح اور علیم کی گفتگو کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

3۔ فہمیدہ اور نعیمہ کی لڑائی کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟ اس پر روشنی ڈالیے۔

8.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔	توبتہ النصوح	ڈپٹی نذیر احمد
2۔	نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر اشفاق محمد خاں
3۔	نذیر احمد کی ناول نگاری	اعجاز علی ارشد
4۔	نذیر احمد	نورالحسن نقوی
5۔	سرسید اور ان کے نامور رفقا	سید عبداللہ

8.5.1 کے جوابات:

D-1	A-2	B-3	C-4	A-5
A-6	C-7	A-8	C-9	B-10

نمونہ امتحانی پرچہ

Maulana Azad National Urdu University

B.A. I Semester Examination

(Deputy Nazeer Ahmad)

Paper Code: BNUR102DET

Time: 2hrs. Marks: 35

یہ پرچہ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً دی گئی ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

حصہ اول میں 5 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ پر کرنا / مختصر جواب والے سوالات ہیں۔ سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔
(1x5=5 Marks)

حصہ دوم میں مختصر سوالات پر مبنی ہے، اور اس میں طالب علم کو کوئی چار سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً 100 **لفظوں پر مشتمل ہے**۔ ہر سوال کے لیے 5 نمبرز مختص ہیں۔
(4x5=20 Marks)

حصہ سوم میں دو سوالات ہیں، اس میں سے طالب علم کو کوئی ایک سوال کا جواب دینا ہے۔ ہر سوال کا جواب تقریباً (250) **لفظوں پر مشتمل ہے**۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرز مختص ہیں۔
(1x10=10 Marks)

حصہ اول

سوال 1:

(i) ڈپٹی نذیر احمد کی پیدائش کہاں ہوئی ؟

(a) علی گڑھ (b) بجنور (c) بدایوں (d) کانپور

(ii) نذیر احمد کانپور میں کس عہدے پر فائز تھے۔

(a) معلم (b) منشی (c) ڈپٹی انسپکٹر (d) ڈپٹی کلکٹر

(iii) نذیر احمد کا پہلا ناول کون سا ہے؟

(a) توبۃ النصوح (b) ابن الوقت (c) رویائے صادقہ (d) مراۃ العروس

(iv) ناول "توبۃ النصوح" کتنے ابواب پر مشتمل ہے؟

(a) سات (b) پانچ (c) بارہ (d) آٹھ

(v) "نذیر احمد کی ناول نگاری" کس کی کتاب ہے؟

(a)اعجاز علی ارشد (b)سید عبداللہ (c)ڈاکٹر اشفاق محمد خاں (d)ڈاکٹر صادق

حصہ دوم

2۔ نذیر احمد کے حالات زندگی لکھیے۔

3۔ نذیر احمد کی شخصیت پر روشنی ڈالیے۔

4۔ محمد حسین آزاد پر نوٹ لکھیے۔

5۔ نذیر احمد کے ناولوں کا تعارف کرائیے۔

6۔ ناول "توبتہ النصوح" کے پلاٹ پر روشنی ڈالیے۔

7۔ ناول "توبتہ النصوح" کے آفاقی پہلوؤں کو اجاگر کیجیے۔

حصہ سوم

8۔ نذیر احمد کے ادبی معاصرین کے سوانحی کوائف بیان کیجیے۔

9۔ ناول "توبتہ النصوح" کا موضوعاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

NOTES